سنہ ۱۳۴۰ھ

سنہ ۱۹۲۲ء

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

الحمد للہ کہ تحقیق غوامض مسائل شرعیہ اور تدقیق احکام مشکلہ محیرہ
اصولیہ و فرعیہ کے سلسلہ کا

حصہ ہفتم

الموسوم بہ

فتاویٰ حائری

مرتبہ

خاکسار ذرہ بے مقدار سید محمد رضی الرضوی متعلم بی-اے
ابن
حضور حجۃ الاسلام والمسلمین صدر المفسرین
سرکار شریعتمدار عالیجناب مولانا علامہ سید علی الحائری قبلہ مجتہد العصر والزمان
پنجاب لاہور

جس کو پنجاب شیعہ مشن لاہور نے استفادہ مومنین
کے لیے چھپوا کر تقسیم کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی عمیم احسانہ و جزیل نعمائہ ولہ الشکر ملاء ارضہ و سمائہ و افضل صلواتہ و تسلیماتہ علی افضل انبیائہ و اشرف سفرائہ محمد الھادی الی سبیل الرشاد و سوائہ ۔ و علی المعصومین من عترتہ و خلفائہ و ذریتہ ۔ و اوصیائہ الباذلین نفوسھم فی اعلان دین الحق و اعلائہ ۔

سوال ۔ جناب یوسف علیہ السلام کو سجدہ کئے جانے کے متعلق جو شرک کا الزام لگایا جاتا ہے اور آیت و رفع ابویہ علی العرش و خروا لہ سجدا ۔ اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے ۔ اس کا کیا جواب ہے ۔

الجواب دراصل سجدہ دو قسم پر ہے ایک سجدہ تعظیمی دوسرا سجدہ تعبدی ۔ موخر الذکر سجدہ صرف خدائے تعالےٰ ہی کے لیے مخصوص ہے ۔ مگر سجدہ تعظیمی سے مراد تعظیم کے لیے خم ہونا ہے ۔ جیسا کہ عجم اور ہند میں اس وقت تک یہ مرسوم ہے کہ علماء اور اولیاء عظم کے لیے بغرض تعظیم منحنی ہو جاتے ہیں ۔ بعض نے لکھا ہے کہ اگر اس کو سجدہ تعبدی بھی قرار دیا جائے ۔ تو وہ خدا ہی کے لئے تھا ۔ مگر بمواجہ یوسف جس طرح کہ جہت قبلہ میں بمواجہ حجر الاسود خدائے تعالےٰ کو سجدہ کیا جاتا ہے ۔ اس بنا پر اس میں اعتراض کوئی باقی نہیں رہتا ۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا جس طرح کہ ملائکہ نے بفرمان خدائے تعالےٰ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا جب وہ شرک نہیں ۔ تو یہ سجدہ کیوں شرک قرار دیا جائے ۔ تفسیر مجمع البیان اور تنزیہ الانبیاء میں لکھا ہے ۔ ان السجود کان للہ شکرا کما یفعلہ الصالحون عند تجدد النعم والھاء فی قولہ عائدۃ الی اللہ تعالےٰ ای سجدوا اللہ علی ھذہ النعمۃ و توجھوا فی السجود الیہ کما یقال صلی القبلۃ و یراد بہ استقبالھا ۔ یعنی ان کا سجدہ خدا کے لئے مخصوص تھا جس طرح کہ صلحاء تجدد نعمت کے لئے سجدہ کیا کرتے ہیں پس ان کا سجدہ بمواجہ و استقبال یوسف علیہ السلام کے تھا جس طرح کہ نماز کا سجدہ بمواجہ و قبال کعبہ کے کیا جاتا ہے ۔ انتہیٰ ۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مروی ہے کہ قال السائل اخبرنی اسجد یعقوب و ولدہ لیوسف وھم انبیاء فکان جواب ابو الحسن علیہ السلام اما سجود یعقوب و ولدہ فانہ لم یکن لیوسف و انما کان ذالک منھم طاعۃ للہ و تحیۃ لیوسف کما ان السجود من الملائکۃ لآدم کان منھم طاعۃ للہ و تحیۃ لآدم فسجد یعقوب و ولدہ و یوسف معھم شکرا للہ تعالےٰ لاجتماع شملھم الم تر انہ یقول فیہ شکرہ فی ذالک الوقت رب قد اتیتنی من الملک الآیۃ ۔ یعنی سوال کیا گیا کہ یعقوب اور اس کی اولاد نے باوجود پیغمبر ہونے کے آیا یوسف کو سجدہ کیا ہے ۔ حضرت ابو الحسن

علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یعقوب اور اس کی اولاد کا سجدہ طاعت و عبادت، خدا اور تحیت یوسف کے لیے تھا۔ جیسا کہ ملائکہ کا سجدہ ہوا تھا آدم علیہ السلام خدا کے لیے اور تحیت، آدم علیہ السلام کے لیے واقع ہوا۔ پس یعقوب اور اس کی اولاد نے بعیت یوسف شکرانہ خدائے تعالیٰ کا سجدہ کیا ہے۔ ان کے اجتماع پر جو ان کے افتراق کے بعد حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ آیات قد اتینی الخ سے واضح ہے۔

زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے قلت کانت السجدۃ عندھم جاریۃ مجری التحیۃ والتکرمۃ کالقیام والمصافحۃ وتقبیل الید ونحوھا مما جرت علیہ عادۃ الناس شھرت فی التعظیم والتوقیر یعنی ان کا سجدہ ہی تحیت وتکریم وتعظیم کے طور پر ہوا کرتا تھا جس طرح کہ کسی کی تعظیم کے لیے قیام اور مصافحہ و معانقہ اور دست بوسی کی جاتی ہے اور اس وقت تک لوگوں میں یہ باتیں مرسوم ہیں۔

بغوی نے معالم التنزیل میں زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھ دیا ہے وکانت تحیۃ الناس یومئذ السجود ولم یرد بالسجود وضع الجباہ علی الارض وانما ھو الانحناء والتواضع۔ یعنی اس زمانہ میں لوگوں میں یہ رسم ہو گئی تھی۔ کہ تحیت میں سجدہ کیا جاوے۔ لیکن اس سجدہ سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ زمین پر پیشانی رکھ دی جاوے۔ بلکہ تواضع اور انحناء اس سے مراد ہوتا ہے۔

اس میں ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان الضمیر فی لہ عائد الی اللہ تعالیٰ والمعنی خروا لہ یسجدون والی یوسف ای الی جھتہ ھو فیہ۔ یعنی آیت مجیدہ میں لہ کی ضمیر خدا کی طرف عائد ہے۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ یعقوب اور اسکی اولاد نے مخصوصاً خدا ہی کو سجدہ کیا۔ تو اس میں مواجہ یوسف کا کیا گیا ہے۔ اور اس جہت کی طرف سجدہ کیا جس میں کہ یوسف تھا۔ وھو العالم۔ حائری۔

سوال۔ جناب نوح علیہ السلام کا اپنے فرزند کی نجات کے لیے دعا کرنا اور اس کا رد ہو جانا پھر اس پر خطاب پرعتاب کا نازل ہونا دلیل ہے۔ کہ نوح علیہ السلام معصوم نہیں تھے۔ کیونکہ خدا نے ان سے قطعی وعدہ کیا تھا کہ کفار کے لیے نجات نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی ان کا سوال کرنا بیٹے کی نجات کے لیے یقیناً گناہ کبیرہ تھا۔ اس کے علاوہ بیٹے کی اہلیت کے جواب میں اس کی اہلیت اور ولایت سے انکار کیا گیا۔ اگر وہ سوال میں گناہ کار نہ ہوتے تو بلفظ تغفرلی واکن من الخاسرین سے وہ معذرت نہ کرتے اور ان کی دعا رد نہ ہوتی۔

الجواب۔ قرآن مجید میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس میں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا عصیان ثابت ہوتا ہو۔ بعض مترجمین کی یہ غلطی ہے کہ انھوں نے شان نبوت کو نظر انداز کرکے ہوسکے لفظوں کے غلط ترجمے کر دیئے ہیں۔ ہم اس سوال کو مختلف وجوہ سے حل کرتے ہیں۔

اوّل۔ انہ کان ابنہ لصلبہ والمعنی انہ لیس من اھلک الذین وعدتکم

نوح کا اپنے بیٹے کے لئے دعا کرنا معصیت نہیں تھا۔

بنجاتهم معك لان الله سبحانهٗ قد استثنٰی من اهله الذین وعدہ ان ینجیهم
من اراد اهلاكهم بالغرق فقال الا من سبق علیه القول ـ عن ابن عباس وسعید بن
جبیر والضحاك وعكرمه واختارہ الجبائی یعنے یافث نمرود جناب نوح علیه السلام کا صلبی بیٹا تھا
پس آیت مجیدہ یا نوح هذا لیس من اهلك انه عمل غیر صالح الخ کے معنی یہ ہوئے کہ یافث تیرا بیٹا
تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ کہ تم کو جن کی نجات کا وعدہ دیا گیا تھا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے پہلے سے ہی مستثنےٰ
کر دیا تھا۔ جن کو کہ نوح کے اہل میں سے ناجی کرنا تھا۔ غرق اور ہلاک ہونیوالوں میں سے۔

دوم۔ ان المراد بقوله لیس من اهلك انه لیس علی دینك فكان كفرہ اخرجه
عن ان یكون له احكام اهله عن كثیر من المفسرین یعنے عیون الاخبار اور تفسیر
عیاشی میں اہل البیت علیهم السلام سے مروی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام رضا علیه السلام نے امام جعفر صادق
علیهما السلام سے روایت کی ہے کہ لیس من اهلك سے یہ مراد ہے کہ اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے دین پر
نہیں ہے۔ پس اسکے کفر نے اس کو نوح کی اھلیت سے خارج کیا ہے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول مختار
ہے۔ اور فی الواقع یہ وجہ احسن الوجوہ بھی ہے۔ نفس آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا
فرمایا ہے انه عمل غیر صالح کہ اے نوح یہ تیرا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ برے عمل کا مرتکب ہوا ہے۔

سوم۔ انه كان ابن امرأته وكان ربیبه یعنے یہ لڑکا دراصل نوح علیه السلام کی زوجہ کا
بیٹا تھا لیکن نوح نے اس کو تربیت کیا تھا۔ اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت سے جس کو
امام محمد باقر علیه السلام نے فرمایا كان ابن امرأته وكان یعلمه نوح ولذلك قال من اهلی ولم
یقل منی یعنے وہ لڑکا نوح کی زوجہ کا بیٹا تھا۔ نوح نے اسی لئے من اہلی کہا اور منی نہیں کہا۔

وجوہ مختلفہ در عدم اہلیت پسر نوح

چہارم۔ حسن اور مجاہد سے منقول ہے انه لم یكن ابنه علی الحقیقة وانما ولد
علی فراشه فقال علیه السلام ان ابنی علی ظاهر الامر فاعلمه الله تعالےٰ ان الامر
بخلاف الظاهر ونبهه علی خیانة امرأته یعنے وہ لڑکا فی الواقع نوح علیه السلام کا بیٹا
نہیں تھا۔ لیکن اس کے فراش پر متولد ہوا تھا۔ نوح نے بظاہر حال جب کہا ان ابنی من اهلی
تو خدائے تعالےٰ نے نوح کو آگاہ کیا۔ کہ یہ لڑکا تیرا اہل نہیں ہے اور نوح کو اس کی زوجہ کی خیانت
پر متنبہ کیا۔ یہی وجہ تھی جو خطاب ہوا فلا تسئلن ما لیس لك به علم یعنے اے نوح جس
بات کا تجھے علم نہیں دیا گیا۔ اس کے متعلق سوال مت کر۔ یہ وجہ سقیم ہے قابل تسلیم نہیں۔

پنجم۔ انه كان مخالفًا للاب لانه كان منافقًا والنوح لا یعلم ذلك لاجله
قال یٰبنی ارکب معنا ولا تكن مع الكفرین وهو امتنع عنه فسئل ربه لیعرف حاله
فاخبرہ تعالےٰ بانه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح اسے نفاق فلا تسئلن ما
لیس لك به علم ـ یہ قول عکرمہ سے منقول ہے۔ کہ نوح علیه السلام کا وہ بیٹا منافق تھا۔ زمانہ
طوفان تک منافقانہ طور پر وہ باپ کے ہمراہ بسر کرتا رہا۔ طوفان کے آنے پر نوح علیه السلام نے
اس کو ہمراہ اپنے کشتی میں سوار ہونے کو کہا۔ کہ کافروں کی معیت کو چھوڑ دے اس نے انکار کر دیا۔
اس وقت نوح علیه السلام نے استفسار کے طور پر خدائے تعالےٰ سے سوال کیا۔ اور خدا نے

اس کو مطلع کیا کہ یہ تیرا بیٹا ہے۔ مگر تیرے اہل سے نہیں ہے جن کی نجات کا میں تجھے وعدہ دے چکا ہوں۔ کیونکہ عمل غیر صالح کا مرتکب ہوا ہے جس سے ہی نفاق مراد ہے۔ اس لیے حکم ہوا کہ اے نوح جس امر کا علم نہیں رکھتے ہو۔ اس کے متعلق مجھ سے سوال مت کرو۔ اس وجہ میں بھی کوئی سقم لازم نہیں آتا۔

اں کسی مشتبہ امر میں استفسار کر لینا عقلاً اور نقلاً ممدوح ہے۔ مذموم نہیں ہے۔ کہ نوح کا سوال کرنا معصیت قرار پا سکے۔ اس لئے کہ آپ کا سوال کرنا اسی قبیل سے تھا۔ کیونکہ اس کے اہل کی نجات کا وعدہ تو اس کو دیا گیا تھا۔ لیکن انکی شخصیت نوح علیہ السلام کو معلوم نہ تھی۔ اسباب کا علم حاصل کرنے کی غرض سے نوح علیہ السلام نے سوال کیا ہے۔ فلا جناح علیہ۔

مزید براں تخلیص کفار اور تحلیل منافقین کا ارادہ عام طور پر ممنوع نہیں ہے۔ خاص کر جبکہ ان کے ابقاء میں کوئی مصلحت ہو۔ یا انکے ایمان قبول کرنے کی امید ہو پس نوح کا قول یا بنی ارکب معنا ولا تکن مع الکافرین اس قبیل سے ہے یعنی اس قول میں ان کا قصد یقیناً حکمت و صواب پر مبنی ہے پس عین ثواب ہے نہ معصیت۔ اس میں ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ نوح اپنے بیٹے کے نفاق سے مطلع نہ تھا جس طرح کہ رسالتمآب صلعم بھی بعض اہل مدینہ کے نفاق سے واقف نہ تھے۔ لقولہ تعالےٰ ان من اھل المدینۃ مردوا علے النفاق لا تعلمھم ونحن نعلمھم۔ پس نوح نے اپنے بیٹے کے ظاہر حال پر نظر کر کے کہا ہو ان ابنی من اھلی۔ تو اس میں معصیت کیونکر ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ لوگ اپنی غلط فہمی سے انبیاء کو خواہ مخواہ گناہ کار ٹھرانے سے کیا جاذب نفع کرنا چاہتے ہیں۔

کشاف میں زمخشری نے کہا ہے قد وعدہ ان ینجی اھلہ وما کان عندہ ابنہ لیس منھم دیناً فلما اشفی علے الغرق تشابہ علیہ الامر لان العدۃ قد سبقت لہ وقد عرف اللہ حکیماً لا یجوز علیہ فعل القبیح وخلف المیعاد وطلب ازالۃ الشبھۃ واجب یعنے خدائے تعالےٰ نے نوح علیہ السلام کو اس کی اہل کے نجات کا وعدہ مجمل طور پر دیا تھا۔ نوح اپنے لڑکے کو اپنے دین کے مخالف نہ جانتا تھا۔ پس اس کے غرق ہونے کے وقت نوح کو شبہ ہوا۔ کیونکہ مخالفین کے غرق ہونے کا وعدہ پیشتر سے انکو معلوم تھا۔ اور یہ بھی وہ جانتے تھے کہ خدائے تعالےٰ الحکیم ہے۔ مخالفت وعدہ نہیں کر سکتا۔ ازالہ شبہ کی غرض سے سوال کیا۔ ان ابنی من اھلی الخ جواب دیا گیا۔ انہ لیس من اھلک۔

رہا دعائے نوح علیہ السلام کا رد ہو جانا۔ یہ سائل کا اپنا زعم ہے۔ کیونکہ نوح نے یہ دعا نہیں کی تھی۔ بلکہ مسئلت تھی جس کا جواب اس کو دیا گیا۔ جیسا کہ کشاف میں زمخشری نے لکھا ہے اے فلا تلتمس منی ملتمساً او التماساً لا تعلم اصواب ھو ام غیر صواب حتی تقف علی کنھہ وذکر المسئلۃ دلیل علے ان النداء کان قبل ان یغرق حین خاف علیہ یعنے اے نوح مجھ سے ایسا سوال مت کر جس کے نیک اور بد کو تم نہ جانتے ہو۔ نوح کا سوال کرنا دلیل ہے کہ وہ غرق ہونے سے پیشتر تھا۔ اور یہ کہ وہ سوال محض ازالہ شبہ کی غرض سے

کیا گیا تھا۔ نہ کہ دعا کے طور پر۔ پھر خواہ مخواہ اس کو دعا اور اس کے جواب کو رد دعا قرار دیدینا سائل کا زعم اور وہم نہیں تو اور کیا ہے ۔ رباانی اعظك ان تكون من الجاهلين ۔ اس میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے ۔ جو عدم عصمت پر دلیل ہو سکے ۔ یہ تو خالق کی طرف سے اپنے پیغمبر کو وعظ اور نصیحت کی گئی ہے ۔ جو خاص طور پر انبیاء اور اوصیاء اسی طرح خدا کی وعظ سے متعظ اور اس کے اعلام سے متعلم ہوتے رہتے ہیں ۔ پس اس جملہ میں بھی نوح کے لئے نصیحت ہے ۔ کہ تم ایسا کام نہ کرنا ۔ جو جاہل کیا کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ شان نبوت کے خلاف ہے وہو العالم حائری

سوال ۔ اہل سنت کہتے ہیں ۔ کہ جناب پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے تیری لڑکی ہوتی تو وہ بھی میں عثمان کے عقد میں دیتا ۔ کیا یہ صحیح ہے ۔ کہ رسول خدا کی دو بیٹیاں عثمان کے عقد میں تھیں یا غلط ہے ۔

جواب محققین شیعہ کے نزدیک یہ غلط ہے کہ جناب ختمی مآب صلعم کی کوئی بیٹی حضرت عثمان کے نکاح میں گئی ہو ۔ کیونکہ رسول خدا صلعم کی جن دو بیٹیوں کا نکاح عثمان سے بیان کیا جاتا ہے ۔ وہ رقیہ اور ام کلثوم ہیں ۔ ان دو صاحبزادیوں کا صاحب پیغمبر صلعم سے ہونا کسی صحیح اور مستند روایت سے ثابت نہیں ہے ۔ بلکہ اکثر محققین نے لکھا ہے ۔ کہ یہ دونوں صاحبزادیاں ہالہ ہمشیرہ خدیجۃ الکبریٰ کی بیٹیاں تھیں ۔ ان کا والد انکی صغر سنی میں فوت ہو گیا تھا ۔ رسالتمآب صلعم اور جناب خدیجہ نے انکی پرورش اور تربیت کی تھی ۔ اور وہ پیغمبر صلعم کو اب اور خدیجہ کو ام کہا کرتی تھیں ۔ اس لئے عوام میں وہ بنات الرسول مشہور ہو گئیں ورنہ یہ مسلم ہے کہ صلبی بنت الرسول بغیر صدیقہ طاہرہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے سوا کوئی دوسری لڑکی نہ تھی ۔ پس سوا جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے کسی اور کو حقیقی اور صلبی بنت الرسول کہنا کسی کی زوجہ کہنا محض افتراء کذب اور بہتان ہے ۔ اس عنوان پر مفصل بحث رسالہ النظر میں کر دی گئی ہے ۔ وہو العالم ۔ حائری

سوال حضرت عمر کی فضیلت میں اہل سنت بیان کرتے ہیں ۔ کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے عمر چراغ ہے اہل بہشت کا یہ روایت صحیح ہے یا غلط ۔

الجواب :۔ یہ روایت مخالف قرآن ہونے کی وجہ سے باطل ہے ۔ کیونکہ قرآن میں سراج اور قمر منیر صرف پیغمبر صلعم کو ہی کہا گیا ہے کسی دوسرے کو سراج اور قمر منیر کے نام سے نہیں یاد کیا گیا ۔ پس اگر بمقابلہ رسول خدا صلعم حضرت عمر کو بھی سراج قرار دیا جائے تو اہل بہشت کا حال دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا ۔ یا تو وہاں وہ چراغ کے محتاج ہوں گے ۔ یا نہیں ہوں گے ۔ اگر محتاج نہیں ہوں گے تو حضرت عمر کے چراغ ہونے سے انکو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا ۔ اور اگر اہل بہشت چراغ کے محتاج ہوں گے تو لازم آئیگا کہ حضرت عمر انبیاء اور رسولوں سے بھی پیشتر داخل بہشت ہوں ۔ اس لئے کہ اگر عمر صاحب ان سے بعد بہشت میں داخل ہوں تو اس وقت تک جملہ اہل بہشت ظلمت و تاریکی میں رہیں ۔ اس صورت میں انبیاء پر بھی عمر کی فضیلت لازم آئے گی جو کسی طرح جائز نہیں کہ فاضل مفضول سے

ابد بہشت میں داخل ہو۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ عمر کا نور انبیا کے نور سے کمتر ہوگا۔ تو اس صورت میں نور انبیا کے ہوتے حضرت عمر کے کم نور ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہو العالم۔ حائری۔

سوال۔ تصویر کشی اور تمثیل سازی اگر ناجائز ہے تو جناب سلیمان علیہ السلام نے اجنہ سے یہ عمل کیوں کرایا یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان سورۂ سبا۔ دوسری آیت مجید میں ہے ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ کہ جن حکم خدا سے تصاویر اور تماثیل سلیمان علیہ السلام کے لئے بنایا کرتے تھے۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو ایسا ہرگز عمل میں نہ آتا۔

الجواب دراصل تمثال بالکسر یعنے تصویر بنانے کے ہے پس اس لفظ سے یہ نہیں ثابت ہوتا۔ کہ وہ صور مجسمہ کی تماثیل تھیں۔ اور بالفرض اگر تھیں بھی تو صور غیر ذوی الارواح ہونگی جس کے بنانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ بفرض محال اگر مجسم صور ثابت بھی ہو جائیں تو اس سے اجسام اشجار اور امکنہ مراد ہے۔ نہ ذوی الارواح۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے۔ قلت ھذا مما لا یجوز ان تختلف فیہ الشرائع لانہ لیس من مقبحات العقل کالظلم والکذب یعنے جنوں کا یہ عمل تماثیل سلیمان کے لئے کرنا ان امور و مسائل میں سے ہے جن میں شریعتیں مختلف نہیں ممکن ہے کہ سلیمان کی شریعت میں تماثیل کا بنانا جائز ہو۔ اور ہمارے شریعت میں ناجائز۔ کیونکہ یہ امور ظلم اور کذب کی طرح مقبحات عقل سے نہیں ہے۔ اور بغوی معالم التنزیل میں لکھتا ہے لعلہا کانت مباحۃ فی شریعتھم کما ان عیسےٰ یتخذ صوراً من الطین فینفخ فیہا فیکون طیراً باذن اللہ یعنے احتمال ہے کہ گذشتہ شریعتوں میں تمثیل صور مباح ہو۔ جیسا کہ مسیح عیسےٰ علیہ السلام نے مٹی سے ایک جانور بنایا تھا جس میں روح پھونکی گئی۔ اور پھر وہ بحکم خدا سے اڑنے لگا۔ اس میں اور ایک وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ وہ تماثیل مجسم بناتے وقت انکے سر کا حصہ نہ بناتے ہوں جیسا کہ کشاف میں زمخشری نے بھی لکھا ہے او تصویر محذوفۃ الرؤس یعنے اگر تصویریں بناتے تھے۔ تو وہ بے سر ہوا کرتی تھیں۔ کیونکہ بعض تصویریں بنانا حرام نہیں ہے لیکن امام معصوم علیہ السلام نے اس مسئلہ میں جو فیصلہ فرمایا ہے حق اور واجب التمسک وہی ہے۔ جیسا کہ کافی مجمع البیان اور تفسیر صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے قال علیہ السلام واللہ ماھی تماثیل الرجال والنساء ولکنہا تماثیل الشجر وشبہہ یعنے خدا کی قسم اس آیت میں مردوں اور عورتوں کی تماثیل مراد نہیں ہے۔ بلکہ درختوں اور اسکی مانند اشیا کی تماثیل مراد ہیں۔ یہی اصح الوجوہ اور مطابق عقل و نقل ہے۔ وہو العالم حائری۔

سوال:۔ اہل سنت نے فضیلت عثمان میں یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ ایک روز ابو بکر صاحب اور عمر صاحب جناب پیغمبر صلعم کی خدمت میں تشریف لائے اس وقت دونوں گھٹنے پیغمبر صلعم کے برہنہ تھے۔ مگر عثمان صاحب تشریف لائے تو پیغمبر صلعم نے فوراً اپنے دونوں گھٹنے چھپا لئے۔ ام المومنین عائشہ صاحبہ نے کہا یہ کیا بات ہے۔ جب ابو بکر اور عمر آئے تو آپ نے زانو کھلے رکھے۔ اور عثمان کے آنے پر چھپا لئے حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دراصل عثمان سے مجھے بہت شرم آتی ہے۔ کیونکہ اس سے خدا اور رسول اور ملائکہ بھی شرم کرتے ہیں۔ اس روایت کے متعلق جناب کا کیا ارشاد

الجواب۔ یہ روایت تین وجہوں سے باطل ہے **اول**۔ اس لیئے کہ اہل سنت کے نزدیک ناف سے گھٹنے تک تمام عورت یعنی واجب الستر ہے۔ اگر ان کا یہ عقیدہ صحیح ہو تو پھر اس روایت کے صحیح مان لینے پر لازم آئیگا۔ کہ معاذ اللہ پیغمبر صلعم نے ابوبکر صاحب و عمر صاحب کے سامنے گھٹنے برہنہ کر دیئے ہیں معصیت کا ارتکاب کیا ہو۔ بالاتفاق یہ ناممکن ہے اس لیئے یہ روایت باطل اور موضوع ہے قابل اعتماد نہیں۔ **دوم**۔ اس روایت کے صحیح مان لینے میں یہ لازم آئیگا کہ حضرت عثمان حضرت ابوبکر اور عمر صاحب سے افضل اور بہتر ہوں کیونکہ اس روایت کی بنا پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا اور رسول اور فرشتے عثمان صاحب سے تو شرم کرتے ہیں۔ مگر ابوبکر و عمر صاحب سے نہیں کرتے۔ اس سے انکی شان اور فضیلت میں بہت بڑا نقص لازم آتا ہے جس کو شیخین کا سچا مرید کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا۔ **سوم**۔ اہل سنت کے نزدیک تو خیر او رشر۔ کفر اور ایمان ظلم اور عدل کا خالق صرف خدائے تعالٰے ہے۔ بندے کو اس میں کسی قسم کا اختیار ہی نہیں۔ سراسر وہ ہر طرح مجبور ہیں۔ جس روز کہ مصحف پر سر عثمان کو جدا کیا گیا۔ کیوں خدا نے نہیں شرم کی۔ اصل بات یہ ہے کہ جس نے پردہ شرم و حیا کو ہی اٹھا دیا ہے۔ وہ جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ وہو العالم حاضری

سوال۔ اہل سنت کے ہاں یہ روایت بھی عزیب المفہوم وارد ہوئی ہے کہ حضرت عثمان نے کسی قدر مال جناب پیغمبر صلعم کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت رسالتماب صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ابن عفان جو کچھ کرے گا معفو ہے۔ اور اسپر کسی قسم کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے یا باطل۔

الجواب۔ اس روایت کا مضمون دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو حضور ختمی مآب صلعم کا مطلب عثمان صاحب کے نیک افعال تھے جن پر رفع قلم فرمایا گیا ہے۔ یا افعال شر مراد تھے۔ پہلی صورت میں جملہ مومنین کے لیئے یہی حکم ہے۔ اگر حضرت عثمان بھی مومن تھے تو وہ بھی اس حکم میں بقدر مساوات شریک تھے۔ پھر اس روایت سے ان کیلئے کیا خصوصیت اور فضیلت ثابت ہوئی۔ حالہ کحال الناس اور دوسری صورت میں یعنے اگر پیغمبر کا یہ مطلب تھا کہ جو کچھ افعال شر عثمان صاحب کر بیٹھے۔ وہ بھی معفو ہیں۔ یہ عقیدہ کفر ہے۔ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ پیغمبر صلعم عثمان کے مخالف اسلام مرتکب ہونے کو معفو قرار دیوے اس کے جواب میں اگر اہل سنت یہ کہیں کہ رسالتماب صلعم نے عثمان۔ کو اس لیئے مرفوع القلم قرار دیا کہ انکو معلوم تھا۔ کہ عثمان صاحب آئندہ کبھی فعل شر کا مرتکب ہی نہیں ہوگا۔ یہ بھی دو وجہوں سے باطل ہے ایک تو اس لیئے کہ جب پیغمبر صلعم کو معلوم تھا کہ عثمان فعل شر کا مرتکب ہی نہ ہوگا۔ تو پھر اس کو معفو قرار دینا عبث شمار ہے۔ دوسرے اس لیئے کہ باتفاق امت ثابت ہے۔ کہ خلافتماب عثمان نے گیارہ یا بارہ مصحف جلا دیئے۔ اور عبد اللہ بن مسعود سے بھی مصحف طلب کیا۔ تاکہ اس کو بھی جلا دیا جائے۔ مگر عبد اللہ نے مصحف دینے سے انکار کیا۔ اسپر عبد اللہ کو اس قدر پیٹا کہ اس کے دو استخوان پہلو کے توڑ ڈالے۔ جس کی وجہ سے اس کا انتقال ہوا۔ ابوذر غفاری کو جماعت مسلمین سے شہر بدر کر دیا۔ اور اس کو مع اہل و عیال کے زندہ ہی بھجوا دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی جگہ

پیغمبر کا عثمان سے شرم کرنا خلاف عقل اور روایات صحیحہ کے خلاف ہے

یہ روایت کہ عثمان جو کچھ کرے معاف ہے غلط ہے

جان بحق ہوا۔ مروان بن الحکیم اور اس کا بھائی اور عمرو عاص وغیرہ جن کو رسالتماب صلعم نے مدینہ سے اخراج کیا تھا۔ عثمان نے ان سب کو مدینہ میں واپس بلا لیا۔ اور معاویہ کو مامور کیا کہ عمار یاسر جیسے زاہد و متقی کو شتر برہنہ پر سوار کر کے دن رات اس قدر پھرائیں کہ وہ آسائش و آرام نہ کر سکے۔ یہاں تک اس کو متاذی کیا۔ کہ جب وہ عثمان صاحب کے پاس پہنچائے گئے۔ تو اس کی رانوں پر گوشت تک باقی نہ رہا تھا۔ اس قسم کے کارنامے آپ نے کثرت سے زمانہ امارت اور خلافت اپنی میں انجام دیئے۔ اب فرمائیے یہ ان کے افعال خیر تھے یا افعال شر باوجود اس کے جناب پیغمبر صلعم ان کے ایسے اعمال کو کیونکر معفو قرار دے سکتے تھے۔ ان وجوہ سے ثابت ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ یقیناً موضوع ہے۔

مزید برایں اس روایت کے صحیح تسلیم کرنے میں بہت بڑا سقم یہ لازم آتا ہے کہ عثمان کے مال پیش کش کرنے پر حضور رسالتماب فداہ روحی کا ایسا حکم دینا گویا ایک قسم کی رشوت ستانی کا پیغمبر صلعم پر الزام دینا ہے۔ جس کو کسی حالت میں کبھی اسلام نے نہیں جائز سمجھا۔ پھر خود بانی اسلام علیہ وآلہ السلام بذات خاص کیونکر اس ناجائز فعل رشوت ستانی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ وھو العالم۔ حائری

سوال۔ امام اور خلیفۂ برحق ولی مطلق (نائب رسول صلعم) کے وہ کونسے ضروری اور لازمی شرائط ہیں۔ جن کی موجودگی میں بلا تردد کسی کی امامت وخلافت کو ہر مکلف تسلیم کر کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو سکے۔ بینوا و توجروا

الجواب۔ اصل بات یہ ہے کہ جب یہ مسلم ہے کہ امام علیہ السلام کا تعین من جانب اللہ و من جانب الرسول عقلاً واجب ہے تو لازم ہے کہ خلیفۂ رسول (امام) ان تمام صفات اور شرائط سے موصوف ہو جو پیغمبر صلعم کے لئے ضروری ہیں۔ سوائے درجہ نبوت کے۔ کیونکہ شریعت جاری کردہ پیغمبر کا۔ امام کارپرداز ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے باستثناء منصب نبوت کے باقی جملہ صفات نبوت اگر اس میں نہ ہوں تو تجویز خدا ورسول پر اعتراض نقص و ارتکاب فعل قبیح لازم آئے گا جو عقلاً محال ہے۔ وہ صفات اور شرائط حسب ذیل ہیں۔ اوّل منصوص احکم صریح دیا گیا، من اللہ والرسول ہونا چاہئے۔ یعنی بذریعہ حکم صریح کے امام معین اور نصب خدا اور رسول کی جانب سے کیا جائے۔ فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب پ ع ۱۹۔ دوم یہ کہ اس کے اختیار واضح طور پر بیان کر کے اس کا درجہ اور رتبہ ظاہر کر دیا جائے۔ سوم یہ ہے کہ امام معصوم ہو تمام صغائر اور کبائر سے عمداً اور سہواً کسی طرح اس سے گناہ سرزد نہ ہو۔ ورنہ احکام شرع اور خلاف شرع کو مخلوط کر کے نوامیس الٰہیہ کو ضائع و برباد کر دیگا۔ بلکہ اس کے ہو لئے نفسانی کی وجہ سے پابندی شریعت میں دشواری ہوگی اور ہدایت کا کام جیسے ... اور ... نہیں ... عصمت ... باطنی امر ہے جس کو

سوا علام الغیوب والقلوب کے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ لہذا وہ اپنی تجویز سے ایسا شخص مقرر کرسکتا ہے۔ چہارم یہ ہے کہ علماً و عملاً امام افضل اہل زمانہ ہو ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور خدا اور رسول صلعم کی تجویز پر الزام جہل و قبح عائد ہوگا۔ کما قال اللہ تعالےٰ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون۔ ایا جو شخص کہ راہ راست نہ بتائے۔ وہ سزاوار ہے۔ کہ اسکی پیروی کی جاوے۔ یا جو شخص کہ راہ راست نہ بتا سکے۔ بلکہ وہ خود راہ راست بتائے جانے کا محتاج ہو تم کو کیا ہوگیا۔ کیا حکم لگاتے ہو۔ پنجم یہ ہے۔ کہ امام نسبی حسبی اخلاقی اور جسمانی عیوب سے پاک ہو جس دلیل سے کہ نبی کا ان عیوب سے پاک ہونا واجب ہے۔ ششم یہ ہے کہ واجب ہے کہ امام صاحب معجزات ہو تاکہ اپنا تقرر منجانب اللہ ثابت کرسکے۔ اور منجانب رسول یہ ظاہر کرسکے کہ علوم نبوت اور کمالات بشری کو نفس رسول سے ایسا جذب کیا ہے کہ خلافت روحانی و جسمانی کا مستحق قرار دیا گیا۔ پس جس شخص میں ایک صفت بھی ان جملہ صفتوں اور شرطوں میں سے مفقود ہو وہ کسی طرح امامت اور خلافت رسول کا اہل نہیں ہوسکتا۔ وہو العالم بالسرائر۔

سوال۔ جناب لوط پیغمبر کا اپنی لڑکیاں لونڈے باز کافروں کے پیش کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا فرمایا ہے۔ قال یا قوم ھولاء بناتی ھن اطھر لکم الخ ایک پیغمبر کیونکر یہ کرسکتا ہے۔ جبکہ مسلمہ اور مومنہ کا نکاح کافر کیساتھ ناجائز ہے۔ اور اگر بغیر نکاح کے پیش کرنا مراد تھا تو یہ اس سے بدتر ہے۔ امید ہے کہ آپ تسلی بخش جواب دیکر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب۔ علماء اعلام نے اس میں مختلف وجہیں بیان کی ہیں۔ اول یہ ہے کہ ان قول لوط ھولاء بناتی علی سبیل الدفع لا علی التحقیق فلم یرضوا ھذا القول۔ یعنے حضرت لوط علیہ السلام کا فرمانا ھولاء بناتی مہمانوں کو ان سے دور کرنے کی غرض سے تھا نہ فی الحقیقت جیسا کہ وہ راضی بھی ہوگئے۔ دوم یہ ہے کہ قال ھولاء بناتی فزوجوھن واضاف الی نفسہ لان کل نبی ابو امتہ وازواجہ امھاتہم یعنے حضرت لوط کا یہ فرمانا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں۔ اس سے مراد ان کی عورتیں تھیں۔ کیونکہ نبی گویا اپنی امت کا باپ اور ازواج النبی امت کی ماں کے بجائے ہوتے ہیں سوم۔ بعض علماء اہل سنت نے کہا ہے وکان تزویج المسلمۃ بالکافر فی شرع لوط جائز کما کان فی ابتداء الاسلام لاجل ذالک زوج النبی بنتیہ بالکافرین عتبہ بن ابی لہب وابی العاص بن ربیع ثم نسخ ذالک بقولہ ولا تنکحوا المشرکین یعنے لوط کی شریعت میں مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز تھا۔ جیسا کہ صدر اسلام میں بھی جائز تھا۔ جبکہ آیت لا تنکحوا المشرکین کے نزول پر یہ حکم منسوخ ہوا۔ اسی لئے پیغمبر اسلام صلعم نے صدر اسلام میں عتبہ اور ابی العاص کو اپنی لڑکیاں دیں۔ رجوع ت

صلعم کی ربیبہ تھیں)۔ **چہارم** انہ علیہ السلام عرضھن علیھم بشرط الاسلام فلم یقبلوا یعنے لوط نے اس شرط پر انکو اپنی بیٹیاں دینی منظور کی تھیں۔ کہ وہ اسلام کو قبول کریں۔ **پنجم** ان لوط کان لہ بنتان یزعورا ورثیاء اراد ان یزوجہما بمن کان منھم سیدا ورئیسا مسلما فلم یجدھما۔ یعنے لوط کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام زعورا اور دوسری کا نام رثیا تھا وہ چاہتے تھے کہ قوم میں دو نفر مسلمان ایسے مل جائیں جن کے ہمراہ ان کا عقد نکاح کر دیا جائے۔ الیس منکم رجل رشید اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ **ششم** انہ خاطب من کان فیھم مسلما فانکروا کلھم من الکافرین والفاسقین من المسلمین عن ذلک بقولھم مالنا بحق فی بناتک وانت لتعلم ما نرید یعنے لوط علیہ السلام نے اپنی امت کے مسلمانوں سے یہ خطاب کیا تھا پس سب کافر اور فاسق مسلمانوں نے انکار کر دیا وہوالعالم۔ حائری

سوال۔ پیغمبر صلعم جبکہ امت کا باپ ہے۔ تو امت کی تمام عورتیں اس کی لڑکیاں ہوئیں۔ اس بنا پر پیغمبر کا نکاح کسی عورت سے کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ازواج النبی کا بھی امہات المومنین ہونے کی وجہ سے امتی کے ہمراہ نکاح حرام ہے۔ پس عائشہ اور حفصہ۔ خدیجہ اور ام سلمہ۔ ماریہ وغیرہا جو کہ امت کی لڑکیاں تھیں۔ رسول اللہ صلعم کی کیونکر جائز بیویاں ہوئیں بینوا وتوجروا۔

الجواب۔ دراصل ابوت اور اموت کئی وجہوں سے ہوسکتی ہے اول ابوت حقیقی ہے جو نسب کے رو سے حاصل ہو۔ یہ ابوت شرعا۔ لغتہ اور عرفا ہر طرح سچی ابوت ہے۔ تمام احکام پوری طرح سے اس ابوت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور توارث وتحریم اور نسب وغیرہ اسی پر مرتب ہوتا ہے۔ دوم ابوت لغوی ہے یعنے اولاد زنا جس میں شرعی ابوت اور نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے میراث وغیرہ کے احکام بھی اس میں جاری نہیں ہوتے۔ سوم۔ ابوت سببی ہے جو رضاع (دودھ پینے) سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں اکثر احکام شرعیہ باستثناء میراث مرتب اور جاری ہوتے ہیں۔ چہارم ابوت حکمی ہے جو محض تعظیمی ہے احکام شرعیہ اس پر بھی جاری نہیں ہوتے۔ مگر قطعا اس میں ازواج النبی کے لئے تخصیص وارد ہوئی ہے۔ فی قولہ تعالےٰ ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا یعنے ازواج النبی کو کبھی بھی اپنے نکاح میں مت لاؤ۔ پس یہ مخصصات تعظیمیہ ازواج النبی ہے کوئی دوسرا شخص اس میں شامل نہیں ہوسکتا۔

میرے نزدیک اصح الوجوہ یہ ہے کہ ازواج النبی امت کے رجال پر حرام ابدی ہیں۔ ان کے امہات المومنین ہونے میں تعظیم کے طور پر صرف حرمت نکاح کی تخصیص کی گئی ہے۔ اور اموت کا اور کوئی حکم ان میں جاری نہ ہوگا۔ لہذا واللہ ... عائشہ ... کسی عورت ... یا ایھا ... قالت ... انما انا امکم ...

یعنے عائشہ نے اس عورت کے جواب میں کہا میں تیری ماں نہیں ہوں۔ بلکہ تمہارے مردوں
کی ماں ہوں۔ ہانی پس وہ نہ تو امت کے رجال کا باپ ہے نہ امت کی نساء کا پس
امت کی عورتیں ان پر کسی طرح حرام نہیں ہو سکتیں۔ خواہ اپنے نکاح میں لائے یا اپنی
اولاد کے نکاح میں خدائے تعالے فرماتا ہے۔ النبی اولے بالمومنین من انفسہم
وازواجہ امہاتہم یہاں اولے بالمومنین فرمایا ہے لیکن اب المومنین نہیں
کہا۔ اور دوسری آیت میں تو صریح انکار ہی کر دیا گیا ہے فی قولہ تعالے وما محمد
ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کہ محمد صلعم تمہارے
مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے لیکن وہ رسول خدا اور ختم الانبیاء ہیں۔ یہ آیت
قصہ زید بن حارثہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں صاف طور پر پیغمبر صلعم کی ابوت امت سے
انکار کیا گیا ہے۔ تفسیر لوامع التنزیل میں اس پر مفصل بحث کر دی گئی ہے فارجعوا الیہ ہو العالم
سوال۔ خاتم الانبیاء صلعم جب کہ سید المعصومین تھے۔ تو سورہ توبہ میں لقد
تاب اللہ علے النبی والمہاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ سے کیا مراد
ہے۔ جبکہ حضور صلعم معصوم اور بے گناہ تھے۔ تو آپ نے توبہ کس گناہ سے کیا۔

الجواب دراصل بات یہ ہے کہ توبہ کرنا کوئی گناہ نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی
کو غیر معصوم سمجھ لیا جائے۔ انبیاء تو سب کے سب معصوم تھے صغیرہ کبیرہ عمداً سہواً ان سے
گناہ صادر ہی نہیں ہوتا۔ البتہ ترک اولے کے وہ مرتکب ہو سکتے ہیں جو درحقیقت معصیت
نہیں ہے۔ مگر حسنات الابرار سیئات المقربین کی بنا پر وہ اگر کسی ایسے ترک
اولے سے توبہ کریں۔ تو ان کو عاصی نہیں کہا جا سکتا۔ امامیہ کے نزدیک ترک اولے
اور ترک نوافل پر بھی توبہ کرنا افضل ہے ہرچند کہ وہ گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ زمخشری
نے کشاف میں لکھا ہے۔ ان ذکر توبۃ النبی صلعم لبعث المومنین علے التوبۃ
وانہ ما من مومن الا وہو محتاج الی التوبۃ والاستغفار حتی النبی
والمہاجرون والانصار وابانۃ لفضل التوبۃ ومقدارہا عند اللہ
وان صفۃ التوابین الاوابین صفۃ الانبیاء کما وصفہم بالصالحین
لیظہر فضیلۃ الصلاح یعنے پیغمبر صلعم کی توبہ کا ذکر کرنا مومنین کو توبہ پر آمادہ
کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ ایسا کوئی مومن نہیں ہے جو توبہ اور استغفار کا محتاج
نہ ہو۔ یہاں تک کہ نبی مہاجر اور انصار سب توبہ کے محتاج ہیں۔ مزید براں پیغمبر کا
توبہ ذکر کرنے میں توبہ کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ کہ خدائے تعالے کے
نزدیک توبہ خاص انبیاء اور اصفیاء کی صفت ہے۔ جیسا کہ انبیاء کو صالحین کے صفت
سے بھی یاد فرمایا ہے۔ اور غرض اس سے صلاح کی اظہار فضیلت ہے۔ غرض محققین
نے فرمایا ہے۔ انما ذکر اسم النبی ہہنا مفتاحا للکلام وتحسینا لہ ولانہ
سبب توبتہم والا فلم یکن منہ ما یوجب التوبۃ وقد روی عن الرضا

انہ قرء لقد تاب اللہ بالنبی علی المہاجرین والانصار یعنے پیغمبر صلعم کا بیان ذکر کئے جانے کا سبب افتتاح کلام ہے۔ اور اس لئے کہ رسالتماب فداہ روحی انکے توبہ کرنے کا سبب ہوئے تھے۔ اس لئے نہیں کہ جناب سے کوئی فعل معصیت صادر ہوا ہو۔ جس سے جناب پیغمبر صلعم نے توبہ کی ہو اس کی موید ہے وہ حدیث جو حضرت امام رضاء علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام علیہ السلام اس طرح اس آیت کو پڑھا کرتے تھے۔ کہ خدائے تعالے نے بواسطہ نبی صلعم کے مہاجر اور انصار کا توبہ قبول فرمایا۔ پس ان کا توبہ گویا پیغمبر صلعم کا توبہ تھا۔ **احتجاج الائمہ** میں ابان بن تغلب سے مروی ہے قال فقلت لہ یابن رسول اللہ ان العامۃ لاتقرء کما عندک قال وکیف تقرء یا ابان قلت انہا تقرء لقد تاب اللہ علے النبی والمہاجرین والانصار فقال ویلہم وای ذنب کان لرسول اللہ حتی تاب اللہ بہ علے امتہ۔ یعنے ابان کہتا ہے میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا۔ یابن رسول اللہ صلعم حضرات عامہ اس طرح اس آیت کو قرأت نہیں کرتے ہیں۔ جیسے آپ کے نزدیک ہے امام علیہ السلام نے فرمایا وہ کس طرح قرأت کرتے ہیں۔ اے ابان میں نے کہا وہ لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار پڑھا کرتے ہیں۔ پس امام علیہ السلام نے فرمایا ان کے لئے ویل ہے۔ رسالتماب کا کونسا گناہ تھا جس سے کہ آپ نے توبہ کی ہے۔ بلکہ ان کے واسطے سے ان کی امت کی توبہ کو خدا نے قبول فرمایا ہے۔ وہو العالم۔ حائری۔

سوال۔ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ کلیم اللہ موسےٰ علیہ السلام نے غصہ میں جناب ہارون کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور الواح تورات کو پھینک دیا۔ کیا یہ ان کا فعل عصمت کے مخالف تھا یا نہیں۔

الجواب۔ دراصل قرآن مجید کی جس آیت سے یہ شبہ ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ قولہ تعالیٰ والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ قال یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فلا تشمت بی الاعداء ولا تجعلنی مع القوم الظالمین۔ یعنے جبکہ موسےٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کرتے دیکھا تورات کو پھینک دیا۔ اور اپنے بھائی ہارون کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اس وقت ہارون نے کہا اے بھائی تیری قوم نے مجھے ضعیف اور خوار کر دیا ہے۔ قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ پس تم نہ تو مجھے شماتت اعداء کا باعث ٹھہراؤ۔ اور نہ قوم ظالمین میں سے۔

اصل بات یہ ہے کہ موسےٰ کلیم اللہ اور ہارون علیہما السلام دونوں پیغمبر اور معصوم تھے۔ خلاف عصمت یقیناً ان دونوں میں سے کسی بزرگوار سے کوئی فعل صادر نہیں ہوا۔ صرف آیت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ جس کا ازالہ کئی وجوہ سے ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں۔

۲- حضرت ہارون کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا معصیت تھا۔

اول آیت میں والقی الالواح وارد ہے جس سے خلاف عصمت کا شبہ کیا گیا ہے حالانکہ لفظ القاء مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ منجملہ بمعنے طرح اور وضع اور بمعنے ایصال کے بھی استعمال ہوا ہے۔ ایسی صورت میں لفظ القی الالواح کو خاص طرح تورات کے معنے میں بغیر کسی قرینہ کے لے لینا خصوصًا ایک اولوالعزم پیغمبر کے متعلق ناجائز ہے۔ کیونکہ یقینًا موسےٰ جیسے معصوم پیغمبر سے طرح تورات جیسا فعل کفر کا صادر ہونا ناممکن تھا۔ پس لازمًا یہاں القاء سے ایصال تورات مراد ہے۔ یعنے موسےٰ نے بنی اسرائیل کو تورات ابلاغ وایصال کی جیساکہ فالملقیات ذکرًا میں القاء بمعنے ابلاغ کے آیا ہے۔ والقوا الی امرلیعہ میں ایصال کے معنے میں استعمال ہوا ہے۔

۳- ہارون کا سر اپنی طرف کھینچنا سوائے کے متعلق علم الہدیٰ اور ابوعلی جبائی نے لکھا ہے ان موسےٰ انما فعل ذالک استعظاما لفعلھم مفکرًا فیما کان منھم کما یفعل الانسان بنفسہ مثل ذلک عند حالۃ الغضب وشدۃ الفکر۔ یعنی یہ حرکت موسےٰ سے ہارون کے متعلق اس وقت ظاہر ہوئی ہے۔ جب کہ بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستی کرنے پر آپ غور وفکر کر رہے تھے۔ اور ان کا یہ فعل آپ کی نظر میں نہایت عظیم معلوم ہوا۔ جیساکہ غیظ وغضب کی حالت میں انسان اپنے نفس کے ساتھ بھی ایسا کر لیا کرتا ہے۔ فیقبض علے لحیتہ ویعض علے شفتیہ فاجری موسیٰ اخاہ ھارون مجری نفسہ فصنع بہ ما یصنع الانسان بنفسہ عند حالۃ الغضب والفکر یعنے غیظ وغضب کی حالت میں انسان اپنی داڑھی نوچتا ہے۔ اور اپنے لبوں کو کاٹتا ہے۔ چونکہ موسےٰ علیہ السلام ہارون کو اپنا نفس سمجھتا تھا۔ پس اس کے ساتھ سلوک کیا جو حالت غیظ میں اپنے نفس کے ساتھ کوئی شخص کر سکتا ہے۔ وھذا من الامور التی یختلف احکامہا بالعادۃ فیکون ما ھو اکرام فی موضع استخفافًا فی غیرہ ویکون ما ھو استخفاف فی موضع اکراما فی اخر یعنے ایسی باتیں در اصل عادۃً مختلف الاحکام ہوا کرتی ہیں۔ کہیں تو یہی فعل اکرام وتواضع سمجھا جاتا ہے۔ اور کسی جگہ توہین واستخفاف۔

اس میں ایک اور وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ کہ انہ اراد ان یظھر ما اعتراہ من الغضب علے قومہ لاکبارہ منھم ما صاروا الیہ من الکفر والارتداد فصدر ذالک منہ للتالم بضلالھم واعلامھم عظم الحال عندہ لینزجروا عن مثلہ مستقبل الاحوال۔ یعنے شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ جب موسےٰ علیہ السلام نے اس حرکت سے چاہا کہ اپنی قوم پر اپنے کمال غیظ وغضب کو ظاہر فرمائے۔ جو ان کے کفر اور ارتداد اختیار کرنے سے انکو حاصل ہوا تھا۔ تاکہ قوم آئندہ اس ضلالت سے متزجر ہو جائے اور نادم ہو بعض

محققین نے فرمایا ہے انما جرہ الی نفسہ لیناجیہ ویستبری حال القوم منہ ولھذا اظھر ھارون برائۃ لنفسہ ولما اظھر برائۃ دعا لہ ولنفسہ بقولہ اغفر لی ولاخی یعنے موسے علیہ السلام نے ہارون کو اپنی طرف توہین اور استخفاف کی غرض سے نہیں کھینچا تھا۔ بلکہ راز کہنے کے لئے کھینچا تھا۔ تاکہ قوم کی اس گمراہانہ حالت سے ان کو بری کرے۔ اس لئے جناب ہارون نے بقولہ ان القوم استضعفونی الخ کہ قوم نے مجھے ضعیف کردیا میری ہدایت کرنے کی وجہ سے قریب تھا کہ قوم مجھے قتل کرڈالے۔ اپنے نفس کی برائت کو ظاہر کیا۔ پس ہارون کے اظہار برائت کرنے پر موسے علیہ السلام نے بقولہ اغفر لی ولاخی۔ اپنے لئے اور اپنے بھائی ہارون کے لئے دعاء مغفرت کی۔ اس جواب پر صرف یہ اعتراض ہوسکتا ہے۔ کہ اگر مشورہ کرنے کی غرض سے موسے علیہ السلام نے ہارون کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ تو پھر ہارون نے لاتاخذ بلحیتی ولا براسی کیوں کہا۔ سو اس کا جواب صاف ہے کہ انہ خاف من ان یتوھم بنوا اسرائیل لسوظنھم باللہ وموسے بانہ منکر علیہ ومعاتب لہ۔ علم الہدے سید مرتضے علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ جناب ہارون علیہ السلام کا یہ گمان تھا۔ کہ بنی اسرائیل خدا اور موسے پر بدظن ہونے کی وجہ سے یہ خیال کئے ہوئے تھے۔ کہ موسے نے ہارون پر عتاب کیا۔ ابومسلم اور سید مرتضے علیہ الرحمہ نے اور ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ ان ھارون لمارای من بعد موسے من بنی اسرائیل عبادۃ العجل فاشتد حزن ھارون وجزعہ علیہ فرای موسے عن اخیہ مارایے من نفسہ فاخذ راس ھارون یجرہ الیہ لیسکن وجعہ وغیظہ کما لفعل احدنا بمن ثنالہ المصیبۃ العظیمۃ فیجزع لھا ویقلق منھا یعنے جبکہ بنی اسرائیل کے گاؤ سالہ پرستی کرنے سے ہارون کو قلق غیظ اور غضب ہوا۔ تو موسے علیہ السلام نے ہارون کی تسلی اور تسکین کے لئے کمال شفقت اور رحم سے اس کا سر پکڑ لیا۔ یہ ایسا ہی فعل تھا جیسا کہ عام طور پر ہم لوگ بھی مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا سر پکڑ لیا کرتے ہیں۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ کہ پھر ہارون نے فلا تشمت بی الاعداء کیوں کہا کہ مجھ پر شماتت کرنے کا اعداء کو موقع نہ دیں۔ سو اس کا جواب صاف ہے کہ لا تشمت کلام استیناف ہے۔ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں لاتاخذ بلحیتی سے یہ مراد ہے۔ کہ اے موسے آپ ایسا نہ کریں۔ کیونکہ آپ میری تسلی اور تسکین کی غرض سے ایسا کرتے ہیں اور دشمن گمان کئے ہوئے ہیں۔ کہ عتاب اور تہدید کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔ وہو العالم۔ حائری۔

سوال۔ یہ تو مسلم ہے کہ اشھد ان علیا ولی اللہ اذان کا جزو نہیں ہے

باوجود اس کے کیوں جماعت شیعہ اس کو شہادت رسالت کے بعد ذکر کرتے ہیں
الجواب۔ فریقین کی حدیثوں سے ثابت ہے کہ جب شہادتین یعنے
شہادت توحید اور رسالت کہی جائے۔ تو اس کے بعد لازماً شہادت امامت
وولایت امیرالمومنین علیہ السلام بھی کہی جانی چاہیئے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔
قال النبی صلعم حدثنی جبریل عن اللہ تعالےٰ قال من علم انہ لا الہ
الا انا وحدی وان محمدا عبدی ورسولی وان علیاً خلیفتی وان
الائمۃ من ولدہ حجتی علی بریتی ادخلتہ الجنۃ ومن لم یشہد
ان لا الہ الا انا وحدی او شہد ولم یشہد ان محمداً عبدی
ورسولی او شہد بذالک ولم یشہد ان علی ابن ابی طالب خلیفتی
او شہد بذالک ولم یشہد ان الائمۃ من بعدہ حججی فقد جحد
نعمتی وصغر عظمتی وکفر بایاتی وکتبی (ارشاد دیلمی) جلد دوم صہ ۲۹۳ یعنے جناب
ختمی رسالت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جبریل نے رب جلیل کی طرف سے مجھے یہ پیغام
دیا ہے۔ کہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں خدا واحد ہوں۔ اور یہ کہ محمد صلعم میرا بندہ اور رسول خدا
ہے۔ اور یہ کہ علی میرا خلیفہ اور آئمہ اسکی اولاد میں سے میری حجت ہیں میری مخلوقات
پر۔ اس کو میں بہشت میں داخل کروں گا۔ اور جو شخص میری توحید کا اقرار نہ کرے۔
یا توحید کی شہادت تو دے مگر محمد صلعم کی رسالت کی شہادت نہ دیوے۔ یا رسالت
کی شہادت تو دیوے۔ مگر علی کے خلیفہ ہونے کی شہادت ادا نہ کرے۔ یا اسکی
بھی شہادت دیوے۔ مگر اسکی اولاد میں سے آئمہ طاہرین کے حجۃ اللہ ہونے کی شہادت
نہ دیوے۔ پس تحقیق کہ اس نے میری نعمتوں کا انکار کیا اور میری عظمت کو حقیر اور صغیر
سمجھا اور میری آیتوں اور کتابوں سے انکار اور کفر اختیار کیا ہے۔

بروایت قاسم بن معاویہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اذا
قال احد کم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فلیقل علے امیر المومنین
(احتجاج علامہ طبرسی علیہ الرحمہ) وکذا النقلہ فے المجلد الثانی من جواہر الکلام
یعنے جب تم میں سے کوئی توحید اور رسالت کی شہادت ادا کرے۔ پس لازماً ولایت
اور امامت علی علیہ السلام کی شہادت بھی اس کے بعد ادا کیا کرے۔ امام معصوم علیہ السلام
کے اس حکم اور امر کے تعمیل کی غرض سے شیعہ اذان اور اقامہ خواہ کلمہ طیبہ میں بعد ادائے
شہادتین کے یعنی شہادت توحید اور شہادت رسالت کے بعد لازماً شہادت
ولایت وامامت علی علیہ السلام بھی ادا کرتے ہیں۔ مگر اذان۔ اقامہ اور کلمہ طیبہ کی
جزیت کا اس میں قصد نہیں کیا جاتا تعجب ہے کہ حضرت عمر کے الصلوٰۃ خیر من
النوم کو اذان صبح میں اضافہ کرنے پر تو کوئی مسلمان نوٹس نہیں لیتا۔ مگر امیر المومنین
علی کے نام پر جہاں بھی کسی منافق کی نظر پڑ گئی بس وہیں وہ اندھی ہو گئی۔ گویا

مسلمانی اب اسی قدر باقی رہ گئی ہے۔ اور بس۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
وہو العالم۔ حائری۔

سوال۔ ہمارے ملک سندھ میں ایک خارجی پیدا ہوا ہے۔ جس نے اعلان کیا ہے۔ کہ اولاد فاطمہ زہراء عترت رسول میں داخل نہیں ہے۔ امید ہے کہ حضور کتب معتبرہ اہل سنت سے عترت کے معنے بیان فرما کر یہ ثابت کریں گے۔ کہ عترت رسول سے کون لوگ مراد ہیں۔

الجواب عام طور پر تو لغت میں لفظ عترت سے ناصر اور مددگار مراد ہیں۔ جیسا کہ لیث کا قول ہے عترۃ الرجل معلینہ وناصرہ ابن سکیت کے نزدیک عترت اور رھط کے ایک معنے ہیں۔ اور رھط قوم اور قبیلہ کو کہا جاتا ہے مطالب السئول میں محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک عترت مرادف عشیرہ اور بعض کے نزدیک مرادف ذریت ہے۔ باپ دادا کی اولاد کو عشیرہ۔ اور نسل کو ذریت کہتے ہیں۔ کلینی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ کہ عترت سے قریبی اہل بیت اور کبھی دور کے رشتہ دار بھی مراد ہو سکتے ہیں (الغریبین لابی عبیدہ) تغلب بن اعرابی سے روایت کرتا ہے۔ کہ عترت سے صرف ذریت مراد ہے۔ یعنی وہ اولاد جو اس کے صلب سے پیدا ہو۔ اور وہ نسل جو اس کے پیچھے رہے۔ عرب اس کے سوا اور کسی کو عترت کہتے ہی نہیں۔ ازہری بھی اس قول کی تائید کرتا ہے (مصباح المنیر) پس اسی لئے حضور ختمی رسالت فداہ روحی کی ذریت یعنے اولاد جناب امیر المومنین علیہ السلام کی جو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے ہیں۔ حضور ختمی مآب صلعم کی عترت کہلاتے ہیں۔ قول صحیح یہی ہے اور جمہور فریقین کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں عترۃ الذین ینتسبون برسول اللہ صلعم ھم اولاد فاطمہ یعنے حضور ختمی رسالت فداہ روحی کی عترت صرف وہ لوگ ہیں۔ جن کی نسبت آنحضرت صلعم کی طرف کی جاتی ہے۔ اور وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد ہیں۔ باوجود اعترافات فریقین کے کوئی وجہ نہیں ہے جس کی بناء پر اولاد فاطمہ کے سوا کسی اور کو عترت رسول اللہ صلعم شمار کر لیا جائے۔ آل محمد علیہم السلام کے بعض دشمنوں نے ایسا کہا ہوگا۔ کہ اولاد بنت ذریت و عترت رسول صلعم میں داخل و شامل نہیں ہے۔ ورنہ کوئی سچا مسلمان خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ اولاد سیدہ علیہا السلام کے سوا کسی دوسرے شخص کو عترت رسول نہیں سمجھتا عن ابن عمر قال ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم احلفونی فی عترتی اھل بیتی (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط

اولاد سیدہ عترت رسول صلعم ہے

والسیوطی فی احیاء المیت) یعنے ابن عمر سے روایت ہے کہ سب سے آخری کلام ختمی مآب کا یہ ہے۔ کہ میرے بعد میری عترت اہل بیت سے نیکی کرو۔ عن مغفل بن یسار قال سمعت ابابکر یقول علے بن ابی طالب عترۃ رسول اللہ صلعم ای الذی حث علے التمسک لھم اخرجہ الدارقطنی یعنے مغفل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر صاحب کو کہتے ہوئے سنا ہے۔ کہ جناب علی بن ابی طالب پیغمبر صلعم کی عترت ہیں۔ جن کے تمسک کرنے پر پیغمبر صلعم نے لوگوں کو برانگیختہ کیا تھا۔ ومن خطب الحسن فی ایامہ فی بعض مقاماتہ انہ قال نحن حزب اللہ المفلحون وعترۃ رسول اللہ الاقربون واھل بیتہ الطاھرون الطیبون واحد الثقلین الذین خلفھما رسول اللہ صلعم والثانی کتاب اللہ (مروج الذہب للمسعودی) یعنے جناب امام حسن علیہ السلام کے خطبات سے ہے۔ کہ آپ نے بعض ایام میں بعض مقامات پر فرمائے ہیں منقول ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ ہم ہی ہیں خدا کا گروہ جو رستگار ہے۔ رسالت مآب صلعم نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ اور اسی ثقلین کا دوسرا قرآن مجید ہے۔ پس باوجود اس قدر وضاحت کے بھی کوئی کور باطن ہی ایسا ہوگا۔ جو اولاد پیغمبر صلعم احفاد علے اور فاطمہ کو تو عترت رسول سے خارج کر دے اور قصاب و نجار و بقال کو عترت اور اہل بیت رسول قرار دیوے۔ افسوس اس صریح دشمنی آل محمد علیہم السلام کے ہوتے ہوئے کیا وہ کسی طرح بھی دعوے مسلمانی میں سچا سمجھا جا سکتا ہے حاشا وکلا وھو العالم بالسرائر۔

سوال آیت مجیدہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس میں کس امر کی تبلیغ کرنے کا پیغمبر صلعم کو حکم دیا گیا تھا۔ جس کے نہ تعمیل کئے جانے پر اس قدر عذاب شدید نازل ہوا کہ اے حبیب اگر تم نے اس امر کی تبلیغ نہیں کی پس تم نے رسالت ہی نہیں پہنچائی۔ اور آخر میں واللہ یعصمک من الناس نازل ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کوئی ایسا اہم امر ہے جس کی تبلیغ کرنے میں پیغمبر کو لوگوں سے خوف و خطرہ تھا۔ ورنہ اس وعدہ کی کیا ضرورت تھی کہ خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ امید ہے کہ نسابات اہل سنت سے جواب ... فرمایا جائے۔

الجواب۔ اصل بات یہ ہے کہ آیت یاایھا الرسول بلغ الخ پہلے ... عشر المحرام میں نازل ہوئی ہے۔ پیغمبر صلعم منافقوں کے مکر اور کینہ

سے عالم تھے۔ جبرئیل سے کہا لم یصدقونی بل یکذبونی منافق لوگ اس حکم الٰہی میں میری تصدیق نہیں کریں گے۔ بلکہ تکذیب کریں گے۔ یہاں تک کہ پیغمبر صلعم مسجد خیف میں جا پہنچے۔ جبرئیل دوبارہ یہی آیت لے کر نازل ہوا۔ بعض مفسرین کے نزدیک پیغمبر صلعم مقام جحفہ میں پہنچ گئے تھے۔ جب جبرئیل یہ آیت لائے۔ پیغمبر صلعم نے اپنی حفاظت کا دہیں بین الحرمین مقام جحفہ ہی میں خدائے تعالےٰ سے وعدہ لیا اور جب آنحضرت مقام غدیر خم میں پہنچ گئے۔ تب جبرئیل تیسری مرتبہ واللہ یعصمک من الناس کا وعدہ اس آیت تبلیغ کے ہمراہ لے کر آیا اس وقت ختمی مرتبت فداہ روحی نے ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمع میں امامت اور ولایت علی علیہ السلام کی تبلیغ فرمائی۔

رہا ثبوت اس کا وہ ہم نے خاص ایک رسالہ کی صورت میں بنام رسالت الغدیر شائع کر دیا ہے۔ یہاں صرف آپ کی تسلی کے لیئے مسانید ائمہ حدیث اہل سنت سے صرف چند حدیثیں ثبوت میں پیش کرتا ہوں۔ غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ اول ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے قال کنا نقرء علےٰ عہد رسول اللہ صلعم ھذہ الآیۃ ھکذا یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس یعنے ہم اصحاب پیغمبر صلعم عہد رسول اللہ صلعم میں اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ کہ اے محمد صلعم پہنچا دے جو کچھ کہ تیری طرف نازل کیا گیا ہے۔ تیرے خدا کی طرف سے یہ کہ علی مولائے مومنین ہے۔ اور اگر تم نے ولایت علی کو نہ پہنچایا۔ تو تم نے تبلیغ رسالت ہی نہیں کی۔ خدا تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اخرجہ الواحدی فی تفسیرہ والرازی فی تفسیر الکبیر ونظام الاعرج فی تفسیر النیشاپوری والحافظ ابن الکثیر وابو نعیم فے الحلیہ وابن مردویہ وعینی فے شرح البخاری والسیوطی فی الدر المنثور۔ دوم۔ ابن عباس سے مروی ہے۔ قال نزلت ھذہ الآیۃ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک یوم غدیر خم فی علی ابن ابی طالب ر اخرجہ الواحدی فی اسباب النزول تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ٦٣٦) یعنے ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت یا ایھا الرسول بلغ الخ غدیر خم میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی تبلیغ ولایت کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ سوم عن البراء بن عازب قال فی قولہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک اے بلغ من فضائل علی نزلت فی غدیر خم فخطب رسول اللہ صلعم ثم قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ یا علی اصبحت مولائی

انزال آیت تبلیغ ولایت علی ۴

ومولیٰ کل مومن ومومنۃ (اخرجہ ابو نعیم والثعلبی) یعنے براء بن عازب سے یا ایہا الرسول بلغ کی آیت کے متعلق روایت ہے کہ اے رسول علی کے فضائل کو پہنچادے۔ جب یہ آیت غدیر خم کے روز نازل ہوئی۔ جناب ختمی رسالت صلعم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا جس کا میں مولا ہوں۔ اس کا علی مولا (اولے بتصرف) ہے ۔ حضرت عمر کہنے لگے مبارک ہو تجھے یا علی تو میرا اور ہر ایک مومن اور مومنہ کا اولے بتصرف ہے۔ ہر چند کہ لفظ مولے مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ مگر اس جگہ مولے سے اولے بتصرف مراد ہے۔ جیسا کہ براء بن عازب کی روایت میں یہی معنے بیان کئے گئے ہیں قال اقبلنا مع رسول اللہ صلعم فی حجۃ الوداع التی حج فنزل فی بعض الطریق فامر الصلوۃ جامعۃ فاخذ بید علی فقال الست اولی بالمومنین من انفسہم قالوا بلے قال الست اولے بکل مومن من نفسہ قالوا بلے قال فہذا اولے من انا مولاہ خلاصہ یہ کہ جناب پیغمبر صلعم نے حجۃ الوداع میں جبکہ ہم ان کے ہمراہ تھے۔ علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔ تمام حاضرین سے کیا میں اولے بتصرف مومنین کے نفوس پر نہیں ہوں۔ سب نے کہا بیشک آپ اولے بتصرف ہر مومن کے نفس پر ہیں۔ پھر فرمایا پس یہ علی بھی اولے بتصرف ہے جس کے نفس پر کہ میں اولے بتصرف ہوں۔ (اخرجہ احمد بن شعیب النسائی فی الخصائص۔ وابن ماجہ فی سننہ) حضرت عمر اور حضرت ابو بکر صاحب نے بھی اس جگہ مولے کے معنے اولے بتصرف ہی سمجھے ہیں۔ اور ابن حجر مکی کو بھی مجبوراً تسلیم کرنا پڑا ہے۔ کہ اس جگہ مولے سے اولے مراد ہے مگر تعصب نے اس کو اولے بالامامت ماننے سے روکا اور اولے بالاتباع والقرب ماننے پر مجبور کیا۔ جیسا کہ صواعق محرقہ میں وہ لکھتے ہیں ثالثہا سلمنا انہ اولے لکن لا نسلم ان المراد انہ الاولی بالامامۃ بل بالاتباع والقرب منہ الی ان قال اذھو الذی فہمہ ابوبکر وعمر فانہما لما سمعاہ قال لہ امسیت یا ابن ابی طالب مولی کل مومن ومومنہ (اخرجہ الدار قطنی) اچھا یہ سب کچھ ہوا یعنے آیت تبلیغ بھی نازل ہوئی۔ پہنچا بھی دی گئی۔ اور تسلیم بھی کر لی گئی۔ علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت بھی ہو چکی۔ مگر اس قدر اہتمام اور بیعت واقرار کے بعد ان لوگوں کو کیا ہو گیا جو علی کی مخالفت پر سب کے سب تل گئے اور ان کی بیعت کو توڑ کر اس منصب کے خود مدعی بن بیٹھے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب سر العالمین کے چوتھے مقالہ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۹ میں اس معاملہ پر مفصل

روشنی ڈالی ہے۔ ہم ان کی اصل عبارت یہاں عبرۃً للناظرین نقل کرتے ہیں۔ قوله
لکن اسفرت الحجة وجهها واجمع الجماهير على متن هذا الحديث
عن خطبة يوم غدير خم باتفاق الجميع وهو يقول صلعم من
كنت مولاه فعلی مولاه فقال عمر بخ بخ لك يا ابا الحسن لقد اصبحت
مولای ومولی كل مومن ومومنة هذا التسليم ورضی و تحكيم
ثم بعد هذا اغلب الهوى لحب الرياسة وحمل عمود الخلافة
وعقود البنود وخفقان الهوى فی قعقعة الرايات واشتباك
ازدحام الخيول وفتح الامصار سقاهم كاس الهوى فعادوا الی
الخلاف الاول فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا
فبئس ما يشترون۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ امام غزالی نے کہا ہے کہ جمہور امت کا
اتفاق واجماع ہے۔ متن حدیث غدیر پر کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے۔ جس کا میں
مولا ہوں۔ اسی معنے میں علی بھی ان کا مولے ہے۔ پس عمر صاحب نے بیعت
کی کہ اے علی تجھے مبارک ہو کہ تم میرے اور تمام مومنین و مومنات کے نفس
پر اولے بتصرف ہو۔ اس کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں۔ کہ اس ولایت علی کو
بحکم خدا تسلیم کرلینے کے بعد ان لوگوں پر ہوا اور ہوس نفسانی غالب ہوگئی
بوجہ محبت دنیا کے پس خلاف اول کی طرف لوٹ گئے پس اس عہد و پیمان
اور بیعت خلافت کو انہوں نے اپنی پس پشت پھینکدیا۔ پس بہاء کثیر کے عوض
میں انہوں نے متاع قلیل کو خریدا ہے۔

ان معتبرہ احادیث اہل سنت سے یہ ثابت ہوا کہ جملہ احکام اسلام اور
ارکان دین میں امامت و ولایت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی خدا و رسول
کے نزدیک جس قدر کہ مہتم بالشان مسئلہ تھا۔ اور کوئی نہ تھا۔ اس لئے اس
کے سوا اور کسی مسئلہ دین اور حکم اسلام کی تبلیغ پر قرآن مجید میں رسالتمآب
کے لئے رب الارباب کی طرف سے خطاب پر عتاب نازل نہیں ہوا۔

یہ غلط ہے کہ اس جگہ لفظ مولے سے ناصر و مددگار وغیرہ وغیرہ مراد ہے جیسا
کہ بعض نے محض تعصب کی وجہ سے کہا ہے۔ کیونکہ ناصر و مددگار ہونا کوئی ایسا
عظیم الشان اور اہم امر نہیں ہے۔ جس کے عدم تبلیغ پر خطاب عتاب رسالتمآب
صلعم کے لئے عقلاً نازل ہوسکے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے تو آیت المومنون
بعضہم اولیاء بعض میں جبکہ جملہ مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کا ولی (ناصر)
قرار دیا ہے۔ تو اس میں لازماً مومنوں کے سردار خود پیغمبر اور علی بھی شامل
ہیں۔ پھر ان کی نصرت کو علیحدہ ایسے اہتمام کے ساتھ کہ اگر اس کی تبلیغ نہ کی

تو رسالت ہی تبلیغ نہ کی بیان کرنا کوئی وجہ موجہ نہیں ہے۔ پس بادی النظر میں ہر دانشمند یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اس عتاب عظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں تبلیغ سے مراد بس تبلیغ امامت علی ابن ابی طالب ہے نہ کچھ اور۔ ورنہ آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھکر جو کچھ بھی جی میں آئے۔ مخالف برھان عقل و دلیل نقل اگر کوئی کہدے تو وہ مرفوع القلم ہے۔ وہوالعالم۔ حائری۔

سوال سنی صاحبان اس سے تو انکار کر نہیں سکتے۔ کہ خلفاء ثلثہ قبل از اسلام بت پرستی کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ اسلام سے قبل تمام دنیا بت پرستی کے مرض میں مبتلا تھی۔ پس حضرات ثلثہ جب تک مشرف با سلام نہیں ہوئے تھے وہ بھی بت پرستی کرتے رہے۔ ایک سنی مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہو پھر اس سے کیا ہوا۔ جب اسلام سے قبل بت پرستی عام تھی تو علی مرتضےٰ بھی (معاذ اللہ) قبل از اسلام انہیں کی طرح بت پرستی کرتے رہے۔ علی کو خلفاء ثلثہ پر فضیلت تو تب ہوتی۔ کہ علی نے بت پرستی نہ کی ہوتی۔ براہ مہربانی سنیوں کی کتابوں سے علی کا بت پرستی سے بری اور پاک ہونا ثابت فرماکر ہم دگوں کو شکر گذار فرمائیں گے۔

الجواب - یہ مسئلہ یقینی ہے۔ کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے تمام عمر طرفۃ العین بھی کبھی بت پرستی نہیں کی۔ علی ہمیشہ اپنے جد امجد ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح بت شکنی میں ہی منہمک اور مشغول رہے۔ کتب معتبرہ اہل سنت میں احادیث معتبرہ اس کے متعلق بکثرت وارد ہیں۔ جس مولوی صاحب نے اس کے خلاف بیان کیا ہے۔ یہ اس کی سراسر جہالت ہے۔ یا محض تعصب کوئی متدین خواہ وہ شیعہ ہو یا اہل سنت جناب امیر علیہ السلام پر اتہام یا الزام بت پرستی کا نہیں دے سکتا۔ چند معتبرہ حدیثیں اہل سنت کی حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلعم ثلثۃ ما کفر قط باللہ مومن الیاسین و علے ابن ابی طالب و آسیۃ امرأۃ فرعون (اخرجہ ابن عدی و ابن عساکر و السیوطی فی الدر المنثور) یعنے جابر سے منقول ہے۔ کہ حضرت ختمی رسالت فداہ روحی نے فرمایا۔ کہ تین شخصوں نے ایک لحظہ کے لئے بھی خدا تعالےٰ سے کفر نہیں کیا۔ مومن الیاسین یعنے یوشع بن نون پر ایمان لانے والا اور علی ابن ابی طالب اور فرعون کی بیوی آسیہ۔ بت پرستی تو کفر سے بھی بڑھکر شرک ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم۔ اور جس نے ادنیٰ ظلم بھی کیا۔ اس کو یہ عہد خلافت و امامت نہیں

حضرت جناب امیر علیہ السلام نے ایک لحظہ بھی بت پرستی نہیں کی

قرآن نہیں ملسکتا لقولہ تعالےٰ لاینال عھدی الظالمین - یہ حدیث عمومیات سے تھی - اب خصوصیات شرک کی روایت بھی سن لیجئے - عن الحسن بن علی انہ قال لا یعبد الا وثان قط صغرہ ومن ثم یقال کرم اللہ وجھہ دون غیرہ من الصحابۃ ۱ اخرجہ ابن سعد فی الطبقات وابن عبد اللہ فے الاستیعاب وفی مسند ابی حنیفہ یعنے حسن بن علیؑ کہتے ہیں - کہ جناب امیر علیہ السلام نے بچپن سے ہرگز بتوں کی پرستش نہیں کی - اسی وجہ سے ان کو کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے - یعنے خدا نے ان کے منہ کو بزرگ کیا کہ وہ بتوں کے آگے نہیں جھکے - اور اسی لیے یہ لقب ان کے سوا اور اصحاب کے حق میں نہیں بولا جاتا - (نزل الابرار بدخشی -)

غرض احادیث فریقین سے یہ ثابت ہے کہ علی علیہ السلام نے وقت تولد سے وفات تک طرفۃ العین کے برابر بھی غیر خدا کسی بت کے سامنے اپنا سر خم نہیں کیا - بلکہ بوقت تولد حسب رسم جاہلیت ایک زرد ریشمی کپڑے میں جناب امیر علیہ السلام کو لپیٹ کر سجدہ کرانے کی غرض سے کفار قریش نے بت کے سامنے پیش کر کے ان کا سر جھکانا چاہا - مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے - سرور کائنات صلعم سے یہ واقعہ لوگوں نے بیان کیا - پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا - علیؑ ہرگز بتوں کے سامنے سر خم نہیں کرے گا - ان اللہ کرم وجہہ علیٰ بنوتہ اسی روز سے کرم اللہ وجہہ علیؑ کے نام کے ہمراہ کہا جانا رسم ہو گیا ہے - پس خلاف انصاف ہے - کہ جن لوگوں نے چالیس چالیس برس تک بت پرستی کرنے کے بعد اسلام لایا ہو - علیؑ جیسے شخص کو جس نے طرفۃ العین بھی بت پرستی نہیں کی - مساوی سمجھ لیا جائے - مگر ہائے تعصب جو انسان کو اندھا کر دیتا ہے وہو العالم - حائری -

ام کلثوم بنت علی منکوحہ عمر نہیں تھی

سوال - ام کلثوم بنت علی علیہ السلام کا عقد خلیفہ ثانی میں جانا کتب اہل سنت سے ثابت ہے - یا نہیں - اگر ان کے ہاں بھی کسی عالم نے اس نکاح سے انکار کیا ہو تو مطلع فرمایا جائے

الجواب - خلیفہ ثانی حضرت عمر کے عقد نکاح میں ام کلثوم بنت علیؑ کا جانا محض غلط اور افترا ہے - اس غلطی کا منشاء یہ تھا - کہ ام کلثوم متعدد تھیں عمر کی منکوحہ ام کلثوم ضرور تھی - مگر وہ بنت علیؑ نہیں تھی - بعض سنیوں خواہ شیعوں کو بھی اس میں ضرور مغالطہ ہوا ہے - مگر وہ بوجہ مخالف عقل و نقل ہونے کے کسی طرح بھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا - محققین شیعہ اور اہل سنت

نے بھی اسکوست ابل اعتماد نہیں سمجھاہے - اور صریحًا انکار کر دیا ہے - کہ عمر صاحب کے عقد میں جو ام کلثوم تھی - وہ یقینًا علی کی بیٹی نہیں تھی - بیہقی - دار قطنی اور ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکہا ہے ان علیًا عزل بناتہ لولد اخیہ جعفر فلقیہ عمر فقال لہ یا ابا الحسن انکحنی ابنتك ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم فقال علی قد حبستھن لولد اخی جعفر یعنے جناب امیر علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کو پہلے ہی سے اپنے بھتیجوں کے لئے علیحدہ کر کے منسوب کر رکھا تھا - عمر نے بوقت ملاقات ان سے کہا اے علیؑ اپنی بیٹی ام کلثوم کو مجھ سے نکاح کر دیجئے - علیؑ نے جواب میں کہا - کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے بھتیجوں کے لئے محبوس کر رکھا ہے

ابن ماجہ اور ابو داؤد نے بھی لکھا ہے - اعلم ان المسماۃ بام کلثوم اثنتان احدیھما ام کلثوم بنت الراھب وثانیھما ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فوقعت نکاح ام کلثوم بنت علی مع محمد بن جعفر الطیار و وقعت نکاح ام کلثوم بنت الراھب مع عمر بن الخطاب یعنے ام کلثوم دو تھیں ایک تو راہب کی بیٹی تھی جو عمر صاحب کے نکاح میں آئی دوسری ام کلثوم بنت علی تھی جو محمد بن جعفر طیار کے نکاح میں آئی تھی - ان دو کے علاوہ ایک اور بھی ام کلثوم تھی - جو بنت جرول خزاعی مشہور تھی - وہ بھی زوجہ عمر تھی - جس سے زید اصغر اور عبیداللہ متولد ہوئے اور حدیبیہ کے روز عمر نے اس کو طلاق دے دیا - اس زید اور اسکی والدہ ام کلثوم نے عہد معاویہ میں ایک ہی وقت انتقال کیا - مزید براین ایک اور ام کلثوم دختر عقبہ بن ابی معیط بھی تھی - کہ عمر نے اس کو طلاق دیدینے کے بعد ام کلثوم بنت خزاعی سے نکاح کیا تھا - ایک ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بھی منکوحہ عمر تھی جس سے عاصم بن عمر متولد ہوئے تھے کن اذکرہ فی تاریخ الخمیس - ایسی صورت میں مشتبہ ہو جانا اس مسئلہ زوجیت عمر کا کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا۔

رہا ام کلثوم بنت علی کا نکاح عمر میں نہ آنے کے وجوہ دلائل وہ بکثرت ہیں شہاب الدین دولت آبادی حنفی جو علماء سیر میں مشہور ہیں - حسب ذیل لکھتے ہیں - کہ عہد عمر میں ام کلثوم بنت فاطمہ صغیر السن تھیں اس کی عمر اس وقت صرف چار برس کی تھی - ۶۰ سالہ عمر کا آدمی حضرت عمر ایسی صغیرہ سے کیونکر نکاح کر سکتا تھا - انتہیٰ اب ہر عقلمند ایسی صورت میں سمجھ سکتا ہے کہ عمر کے لحاظ سے اس نکاح کی تو کسی طرح مناسبت اور موزونیت ہی نہیں ہو سکتی - خصوصًا

جب کہ نکاح کے لیے تاریخ اور مشکوۃ میں کفوء ہونے کی بھی شرط مفقود ہو۔ پھر ناممکن تھا۔ کہ اپنی بیٹی ام کلثوم کو جناب امیر علیہ السلام غیر کفوء عمر صاحب سے بیاہ دیتے۔ ان وجوہ کی بناء پر ہم کہتے ہیں۔ کہ ام کلثوم بنت علی ہرگز عمر کے نکاح میں نہیں آئی۔ بالفرض اگر کسی سنت جماعت یا شیعہ مولوی صاحب نے یہ نکاح واقع ہونا لکھ بھی دیا ہو۔ تو وہ ان کا اپنا عندیہ ہے۔ جو یقیناً غلط ہے۔ اور غلطی کا منشاء ہم بتا چکے ہیں۔ کہ تعدد ام کلثوم از دواج عمر خطاب ہے۔ اور فرضاً اگر کوئی موضوع یا ضعیف روایت بھی اس قول کا اخذ قرار دی جائے۔ تو وہ مخالفت معقول و منقول ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد و اعتبار نہیں ہو سکتی۔ تمام اس مسئلہ کی تحقیق تفصیل کے ساتھ رسالہ النظر میں کی گئی ہے۔ وہو العالم۔ حائری۔

سوال۔ عصمت انبیاء علیہم السلام کا میں قائل ہوں۔ مسئلہ عصمت میں آیت الم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک سے مجھے یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ جب آیت میں وزر کا صاف لفظ موجود ہے اور وزر کے معنے گناہ کے ہیں۔ تو پیغمبر صلعم معصوم کیونکر رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن میں صاف ہے کہ ہم نے تم سے تمہارے گناہوں کو نہیں اتارا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ امید ہے کہ اس کی تفسیر فرما کر تسلی کر دیں گے۔

الجواب۔ لفظ وزر لغت میں دراصل ثقل یعنے بوجھ کو کہتے ہیں۔ اور وزر کی جمع اوزار بمعنے اثقال کے آئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے حملنا اوزاراً من زینۃ القوم یعنے اثقالاً من حلیہم۔ اسی لئے ہتھیار کا نام بھی اوزار حرب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ثقل ہے۔ جس کو اٹھانا پڑتا ہے۔ بادشاہ کے لئے وزیر ہوتا ہے۔ لفظ وزیر بھی اسی لفظ وزر سے مشتق ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے تمام اثقال کا وہ متحمل اور حامل ہوتا ہے۔ اس کے بعد گناہ پر بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔ پس حضرات انبیاء علیہم السلام کی جبکہ دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے عصمت ثابت ہے۔ تو جہاں کہیں ان کے حق میں یہ لفظ وارد ہوا ہے۔ وہ لازماً گناہ کے معنے میں نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ لغوی معنے میں وہ مستعمل ہوگا۔ اسی بنا پر اس آیت کو ہم مختلف تاویلوں سے بیان کر سکتے ہیں۔

اول المراد بہ تخفیف اعباء النبوۃ التی تثقل الظہر من القیام بامرہا فسہل اللہ ذالک علیہ حتی تیسر لہ ومن علیہ یعنے اس جگہ

آیت وضعنا عنک وزرک مخالف عصمت پیغمبر نہیں ہے

وزر سے مراد نبوت کے ثقل اور بوجھ کو خفیف اور ہلکا کرنا ہے۔ کیونکہ کہ اس کے ثقل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اگر خدا اس کے امور کو اس پر آسان کر دے۔ پس آیت مذکورہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پس آیت کے معنے اس طرح ہوئے کہ اے پیغمبر کیا ہم نے تمہارا حوصلہ فراخ نہیں کیا۔ (یعنے کیا)، اور (بوجھ نبوت) کا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ تم پر سے اتار دیا یعنے مشکلات امر نبوت کو تم پر آسان کر دیا۔

دوم۔ بعض مفسرین نے یہ تاویل کی ہے کہ وعصمناك عن احتمال الوزر فان المقصود من الوضع ان لا يكون عليه ثقل فاذا عصم كان ابلغ فى ان لا يكون ولا يفعل الوزر۔ یعنے لفظ وضعنا عصمت کے معنے میں مستعمل ہے۔ مجازاً اس بناء پر یہ مطلب ہوا کہ ہم نے تمکو تحمل وزر سے محفوظ رکھا ہے مراد اس جگہ یہ ہے۔ کہ پیغمبر صلعم پر کسی قسم کا بھی ثقل نہ ہو۔ پس جبکہ ابتدا ہی میں ان سے ثقل معاصی موضوع ہو چکا ہے۔ تو لازماً وہ معصوم ہیں۔

سوم الوزر ما اصابه من الهيبة والفزع فى اول ملاقاة جبريل حتى اخذته الرعدة ثم قواه یعنے اس جگہ وزر سے وہ ہیبت مراد ہے جس نے پیغمبر صلعم کو جبریل کی پہلے ملاقات میں بحالت جزع پہنچایا تھا۔ اس کے بعد خدائے تعالےٰ نے آپ کو ایک قوت اور طاقت عطا فرمائی۔

چہارم۔ انه وزر امته صارت كالوزر عليه فامنه فى الدنيا بقوله وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم وفى الاخرة بشفاعته فوعده بها عقيب هذه الاية ورفعنا لك ذكرك اى شفاعتك فيهم یعنے اس جگہ وزر سے مراد امت کے گناہ ہیں۔ جن کو گویا خود آنحضرت صلعم کا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اور وعدہ دیا ہے۔ کہ دنیا میں تیرے وجود کے سبب اور آخرت میں تیری شفاعت سے امت مرحومہ کو عذاب نہیں کروں گا۔

پنجم ان نزل السورة بعد موت ابى طالب وخديجة فكان فراقهما عليه وزراً عظيما فوضع عنه الوزر ورفعه الى السماء فرفع قدره یعنے فخر الدین رازی نے کہا ہے۔ کہ ابوطالب اور خدیجہ کی وفات کے بعد یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں فراق ختمی رسالت صلعم پر بہت عظیم اور ثقیل گذرے۔ خدائے تعالےٰ نے اس وزر اور ثقل کو آنحضرت صلعم سے اٹھا لیا۔ اور آپ کی تسلی اور رفعت کے لئے آپ کو آسمان پر اٹھا لیا۔

ششم - علم الہدیٰ سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں - سمیت الذنوب
وزرا لانہا تثقل حاملہا وکاسبہا فکما اثقل الانسان غمہ وکدہ
جاز ان یسمی وزرا فلا یمتنع ان یکون المراد ھھنا بانہ صلعم لغیتم
ویھتم ویتاسف علی ما کان علیہ قومہ وعشیرتہ من الشرک وھو
وصحابہ بینھم مقھورون مغضوبون ومستضعفون لا یستمعون
اقوالھم فلما اعلی اللہ کلمتہ وشرح صدرہ وبسط یدہ خاطبہ
اللہ بھذا الخطاب تذکیرا بمواقع النعمۃ لیقابلہ بالشکر ویوئذ
مابعد من الایات من الرفعۃ والیسر ذلک بازالۃ الھموم اشبہ
والعہ بالشدائد والغموم انسب یعنے گناہوں کو اس لئے وزر کہا
گیا ہے - کہ گناہ کار کے لئے وہ نہایت ثقیل ہوتے ہیں - جیسے غم اور ہم اور جدوکد
سے کسی کام کرنے کو بھی وزر کہا جاتا ہے - پس اس بناء پر پیغمبر صلعم کے وزر سے
مراد آپ کا غم وہم ہے - جو حضور کو اپنی قوم کے متعلق تھا - اور ان کی جہالت
وضلالت پر آپ ہر وقت متاسف رہا کرتے تھے - خدائے تعالے نے ان کو
فرح اور سرور سے بدل دیا - اور آپ کی عسرت کو یسرت سے اور ذلت کو
رفعت ذکر سے تبدیل کر دیا کہ اہل مکہ قریش کی فوج فوج دین اسلام میں داخل
ہونے لگی - بعد اس کے کہ آپ ان کے درمیان ضعیف - ذلیل - اور مقہور
تھے - یہاں تک کہ آپ کا کلام سننے کے لئے بھی وہ روادار نہ تھے - خدائے تعالے
نے ان امور کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی پیغمبر صلعم کو یہ خطاب کیا تھا
اب اس پر صرف یہ سوال ہوسکتا ہے - کہ یہ سورہ مبارکہ مکیہ ہے -
اور یہ سب باتیں طویل عرصہ کے بعد وقوع پذیر ہوئیں - ان میں کیونکر مطابقت
ہوسکتی ہے - اس کا جواب دو وجہوں سے ہوسکتا ہے - اول ان اللہ
سبحانہ بشر نبیہ قبل ان یعلی دینہ ویظہر کلمتہ بان یوضع منہ ثقل
غمہ وھمہ بما یلحقہ من اذی قومہ ویبدل عسرہ یسرہ فما وعدہ
اللہ تعالے فقد وقع کلہ - یعنے خدائے تعالے نے اپنے پیغمبر صلعم کو اعلاء دین
اور نشر کلمۃ اللہ سے پیشتر ہی اس بات کی اطلاع دے رکھی تھی - کہ قوم کی اذیت
سے جو کچھ بھی غم وہم کا ثقل آپ پر ہے - وہ دور کر دیا جائیگا - آپ کی مشکلات
اور صعوبتیں سب سرور اور فرح کیساتھ تبدیل کر دیجائیں گے - پس مطابق
واقعہ یہ سب کچھ پورا ہوا - دوم ان کان اللفظ بقولہ وضعنا عنک ماضیا
فیراد بہ الاستقبال ذالک فی القرآن والاخبار والاشعار کثیر بقولہ تعالے
ونادوا اصحاب الجنۃ اصحاب النار وقولہ ونادوا یا مالک لیقض علینا

وقوله وجیئ بجهنم فلاقیل ح فیہ یعنی لفظا و صنعتا ہرچند ماضی کا صیغہ ہے ۔ مگر اس جگہ بمعنے استقبال مستعمل ہے ۔ قرآن مجید میں ایسے الفاظ بکثرت وارد ہوئے ہیں ۔ جو لفظاً ماضی ہیں ۔ مگر معناً استقبال کا فائدہ دیتے ہیں ۔ جیسے اصحاب جنت اور اصحاب نار کے لئے لفظ نادی صیغہ ماضی وارد ہوا ہے ۔ مگر مستقبل نیادی کے معنے میں استعمال ہوا ہے ۔ اسی طرح اہل جنت کے متعلق لفظ نادوا ماضی وارد ہوا ہے جو مستقبل کے معنے دیتا ہے پس اس میں کوئی قدح لازم نہیں آتی ۔ ہو العالم حاکی

سوال ۔ جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں پیغمبر کے بعد جملہ صحابہ میں سب سے زیادہ اعلم کون تھے ۔ اور جناب امیر علیہ السلام کا علم لدنی تھا ۔ یا کسبی امید ہے کہ بوضاحت اسکو بیان فرمایا جاوے ۔

الجواب ۔ اصل بات یہ ہے کہ کل صحابہ میں عالم علوم قرآن بالاتفاق صرف دو نفر تھے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود یہ دونوں بزرگوار جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے شاگرد رشید تھے اور فخر و مباہات کیا کرتے کہ ہم نے تمام علوم قرآن کو جناب امیر علیہ السلام سے اکتساب کیا ہے ۔ پس عہد رسالت میں پیغمبر صلعم کے بعد استاذ الاساتذہ مصدر جملہ علوم مظہر کل فنون اور مرجع تمامی فرقات اسلامیہ جناب امیر علیہ السلام ہیں ۔ علماء سیر فاضکران میں سے ابن جوزی ۔ ابن طلحہ شافعی ابن فورک ۔ ابن ابی الحدید وغیرہم جمہور علماء نے لکھا ہے ۔ کہ علی بن ابی طالب استاذ الاساتذہ ۔ مرکز کل ۔ مرجع صحابہ بالاتفاق تھے ۔ اور یہ کہ جملہ کمالات اور علوم و فنون سب کے سب جناب امیر علیہ السلام تک منتہی ہوتے ہیں ۔ دیکھو علم کلام جو افضل و اشرف علوم ہے وہ مسلمہ طور پر علی مرتضیٰ پر منتہی ہوتا ہے سلسلہ علم کلام فرقہ امامیہ تو ظاہر ہے ۔ کہ وہ سب حضرات آئمہ معصومین طاہرین اہل البیت علیہم السلام تک ختم کر دیتے ہیں ۔ معتزلہ کا علم کلام واصل بن عطاء سے ہے اور واصل شاگرد ہے ۔ ابوہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ کا اور ہاشم نے اپنے باپ محمد سے علم حاصل کیا ۔ اور محمد حنفیہ نے اپنے والد بزرگوار علی بن ابیطالب سے فرقہ اشعریہ کا مؤید ابوالحسن اشعری ہے وہ ابو علی جبائی کا شاگرد تھا اور جبائی شیخ المشائخ طوائف معتزلہ ہے ۔ اس واسطہ معتزلہ سے انکا سلسلہ بھی جناب امیر علیہ السلام تک پہنچا ہے ۔ علم فقہ میں تمام فقہاء بھی تلامذہ جناب امیر علیہ السلام ہیں ۔ ابوحنیفہ مفتی طائفہ حنفیہ امام جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام کا شاگرد ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا علم بتوسط اباء طاہرین و اجداد معصومین علیہم السلام جناب امیر علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے اصحاب ابوحنیفہ ۔ ابو یوسف اور محمد وغیرہ تھے جو ابوحنیفہ کے شاگرد تھے پس ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ کا تلمذ بھی آنحضرت تک منتہی ہوا ۔ شافعی صاحب کا بھی حال سن لیں سیدہ

بعد از رسول صلعم علی اعلم روئے زمین ہے

شاگرد تھے محمد بن الحسین کے اور محمد بن الحسین ابوحنیفہ کا شاگرد تھا۔ اسطرح وہ بھی جناب امیر علیہ السلام تک پہنچے۔ حنبلیے جنکا رئیس احمد بن حنبل تھا وہ شافعی کا شاگرد تھا پس انکا تلمذ بھی جناب امیر المومنین علیہ السلام پر ختم ہوا۔ مالکیہ کا امام رئیس مالک بن انس تھا وہ شاگرد تھا ربیعۃ الرائے کا اور ربیعۃ الرائے عکرمہ کا شاگرد تھا اور عکرمہ عبداللہ عباس کا اور عبداللہ جناب امیر علیہ السلام کا پس انکا سلسلہ بھی جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام پر ختم ہوا۔ مفسرین صحابہ کا مرجع علوم قرآن میں ابن مسعود اور ابن عباس ہیں یہ دونوں بزرگوار علوم قرآن میں جناب امیر علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔ علم سنت میں بھی تمام صحابہ کا مرجع امیر المومنین علی علیہ السلام تھے۔ کیونکہ جناب پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ الاعلم بالسنن علی بن ابیطالب اسطرح ہیں جملہ صحابہ بالخصوص خلفاء تک عام معضلات میں جناب امیر کی طرف رجوع کرتے رہے۔ مثلاً جناب عمر خطاب نے ستر مرتبہ سے بھی زیادہ معضلات ہالکہ میں جناب امیر علیہ السلام سے مشکلات کو حل کرایا۔ اور ہر مرتبہ احکام دین میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا لولا علی لھلک عمر۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔ متفق علیہ حضرت عمر اور ابن عباس سے مروی ہے کہ تمام علم دس عشر تھا اس میں ایک عشر تمام دنیا میں منقسم ہوا جس میں علی شریک تھے۔ اور نو عشر خاص علی کو عطا کئے گئے جس میں کوئی انکا شریک نہیں ہے۔ یہ وجہ تھی کہ جناب امیر مکرر فرمایا کرتے سلونی قبل ان تفقدونی مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ پایا جاؤں۔ اور پھر فرماتے ہیں سلونی عن طرقات العرش فانی اعرف بھا من طرقات الفرش کہ مجھ سے آسمان کے رستے پوچھ لو کہ زمین کے رستوں سے میں ان سے زیادہ واقف ہوں۔

غرضکہ جناب امیر علیہ السلام تمام اہل علوم و اصحاب فنون کے نہ صرف استاد ہی تھے۔ بلکہ ہر علم اور ہر فن کے ضوابط و قواعد کے آپ ہی بانی مبانی ہیں۔ منھم النحاۃ علم نحو و صرف کے بھی آپ ہی واضع تھے۔ یہ دستور قرار دیا تھا کل فاعل مرفوع کل مفعول منصوب کل مضاف الیہ مجرور۔ منھم الخطباء وھو اخطبھم آپکا خطبہ توحید شقشقیہ ھدایتہ - الملاحم - اللؤلؤۃ - الغرا - والقاصعہ والافتخار - والاشباح - والدرۃ الیتیمۃ - والاقالیم - والوسیلۃ - والطالوتیہ - والقصبیہ - والنخیلیہ - والسلیمانیہ والناطقہ - والدامغہ - والفاضحہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ جاحظ نے کتاب الغرہ میں جناب علی علیہ السلام کی فصاحت کے تذکرہ میں نمونہ کے طور پر یہ انکا کلام لکھا ہے کہ علی نے معاویہ کو لکھا غرک عزک فصار قصار ذلک ذلک فاخش فاحش فعلک فعلک تھدا بھذا۔ منھم الشعراء وھو اشعرھم۔ جاحظ نے کتاب البیان اور کتاب فضائل بنی ہاشم میں۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ ان علیا اشعر الصحابۃ و افصحھم و اخطبھم و اکتبھم۔ تاریخ البلاذری میں ہے کہ ان ابوبکر یقول الشعر و عمر یقول

الشعر وعثمان يقول الشعر وكان علی اشعر الثلاثة کہ جناب امیر علیہ السلام تینوں خلیفوں سے زیادہ شاعر تھے۔ منهم العروضيون آپ ہی سے علم عروض کی بنیاد ڈالی ہے منقول ہے کہ خلیل بن احمد نے رحمویٰ کو ایک شخص سے سیکھا۔ جو اصحاب محمد بن علی الباقر یا علی بن الحسین علیہما السلام سے تھے فوضع لذلک اصولا۔ منهم الوعاظ۔ کوئی شخص امثال و خبر اور مواعظ و زواجر میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ عبد الواحد امدی نے غرر الحکم میں انکے کلام کو جمع کیا ہے۔ منهم الفلاسفة بو علی سینا نے کہا ہے لم یکن شجاعا فیلسوفا قط الا علی علیہ السلام یعنے بغیر علی علیہ السلام کے کوئی دوسرا شجاع اور فیلسوف نہیں ہے منهم المهندسون وہو علمهم اسکے متعلق واقعات کثرت سے پیش آئی ہیں۔ کہ جناب امیر علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا حل نہیں کر سکا منهم المنجمون وہو اکثرہم اس علم کی بنیاد بھی جناب امیر علیہ السلام نے ڈالی ہے۔ منهم الحساب وهو اوفرهم نصيبا۔ آپنے علم حساب کے وہ اصول قائم کئے کہ تمام مشکلات اس علم کی آسان ہوگئیں۔ علم کیمیا وهو اكثرهم حظا سئل امير المومنين عن الصنعة فقال هي اخت النبوة وعصمة المروة والناس يتكلمون فيها بالظاهر واني اعلم ظاهرها وباطنها هي والله ما هي الا ماء جامد وهواء راكد ونار جائلة وارض سايلة علم طب۔ جس طرح علم ادیان کی بنیاد جناب امیر علیہ السلام نے قائم کی ہے اسیطرح علم ابدان کی بنیاد بھی جناب علیہ السلام نے ڈالی ہے۔ جملہ علوم و فنون رائجہ و غیر مروجہ سب کی اساس قائم کردہ جناب امیر علیہ السلام ہے۔ کثرت سے ایسے مسائل ہیں جن کو بڑے بڑے فلاسفروں نے برسوں کی تحقیقات کے بعد حل کیا ہے جنکو جناب امیر علیہ السلام نے تیرہ سو برس پہلے حل کیا ہوا تھا۔

رہا یہ امر کہ علی کا علم کسبی تھا لدنی یا کسبی سو اسکی نسبت اعتقاد صحیح یہی ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے کسی سے اکتساب علوم نہیں کیا۔ انکو جو کچھ بھی علم ملا ہے وہ جناب رسالتمآب صلعم سے ملا۔ جملہ فنون و علوم کا اساس تو آپنے قائم کیا۔ پس بغیر پیغمبر کے کون ایسا شخص اور ہو سکتا ہے جو علی جیسے اعلم روئے زمین کو تعلیم دیسکتا۔ خود جناب علی کا یہ دعوے ہے علمنی رسول الله الف باب ويفتح من كل باب الف باب یعنکہ پیغمبر روحی فداہ نے علوم کے ہزار دروازے مجھے تعلیم دیئے اور ہر دروازے سے ہزار ہزار دروازے میرے لئے مکشوف ہو گئے۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے علي علم ما علمه رسول الله علمه الله فعلم النبي من علم الله وعلم علي من علم النبي وعلمي من علم علي وما علمي وعلم اصحاب محمد في علم علي الا كقطرة في سبعة ابحر یعنے علی علیہ السلام کو جناب رسالت صلعم نے تعلیم کی ہے اور پیغمبر صلعم کو خدا تعالے نے تعلیم دی پس پیغمبر کو خدا سے علوم حاصل ہوئے اور علی کو پیغمبر سے جملہ علوم ملے مجھے علی سے علم حاصل ہوا میرا اور تمام اصحاب محمد صلعم کا علم جناب امیر علیہ السلام کے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ سے برابر ہے بمقابلہ سات دریاؤں کے۔

غرض اس قسم کی بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اس جگہ اس سے زیادہ میں کچھ لکھنا نہیں چاہتا۔ صرف یہ کہکر ختم کرتا ہوں کہ ایسے اعلم زمین کے ہوتے ہوئے کسی بے علم کو جو خود معترف ہو کہ بیت ذا کہیتہ دا بابہ کے میں معنے نہیں جانتا۔ یا یہ کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ پیشوائی کے لیے وہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ اہلیت علی علیہ السلام کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی جاہلوں کو ان پر تفضیل دی جاتی ہے۔ اور خلافت الرسول میں ان کو علی علیہ السلام پر مقدم بالحق مان لیا جاتا ہے۔ اور اس عالم علم لدنی کو مقتدی ان جہلا کا قرار دینے میں جان توڑ کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ تفضیل مفضول نہیں تو اور کیا ہے۔

وہو العالم۔ حائری۔

سوال۔ آیت مجیدہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں خدا نے تعالےٰ نے صریح لفظوں میں وعدہ کیا ہے۔ کہ میں نے قرآن کو نازل کیا ہے۔ اور میں ہی اس کا حافظ ہوں۔ پھر بنا بر روایات اہل سنت کے کیونکر یہ صحیح سمجھ لیا جائے۔ کہ قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ شیعوں کا تحریف قرآن کے متعلق کیا اعتقاد ہے۔ امید کہ واضح ارشاد فرمایا جائے۔

الجواب۔ لفظ قرآن تو اس آیت مجیدہ میں موجود ہی نہیں جس سے حتمی طور پر یہ کہا جا سکے۔ کہ جو بین الدفتین قرآن مجید دنیا میں موجود ہے۔ اس کی حفاظت کا خدائے تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے۔ آیت میں تو لفظ ذکر ہے۔ اور ذکر سے جس طرح قرآن مجید مراد لیا جاتا ہے بقول بعض علما کے بمفاد انا انزلنا الیکم ذکراً رسولا۔ ذکر سے پیغمبر صلعم مراد ہے جس کی حفاظت کا خدائے تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ واللہ یعصمک من الناس اور جس صورت میں کہ ذکر سے قرآن مجید مراد لیا جاوے لازم آئیگا۔ کہ خدا ان بعض آیات قرآن کا حافظ ہو۔ جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے۔ اور نزلنا الذکر بصیغہ ماضی ذکر ہوا ہے۔ اور حفاظت کا وعدہ بھی اس وقت تک نازل شدہ ذکر کے لیے کیا گیا ہے۔

اس میں ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے۔ کہ عام طور پر قلمی یا مطبوعہ قرآن مجید میں کاتب کی غلطی سے نقاط۔ اعراب۔ حروف اور الفاظ غلط لکھے جاتے ہیں۔ جب خدا نے دنیا میں اس موجودہ قرآن کی حفاظت کلی کا وعدہ کر لیا ہے تو لازم یہ تھا کہ پھر اس میں کاتب کی سہو سے بھی کوئی غلطی واقع نہ ہونے پاتی۔ کیونکہ حفاظت کو غیر مقید بیان کیا گیا ہے۔ اور کسی خاص امر کے لیے حفاظت کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ اس بناء پر کہا جاتا ہے۔ کہ اس آیت سے اگر قرآن مجید کی حفاظت مراد ہوتی تو دنیا میں یہ بین الدفتین موجودہ قرآن مجید وجوہ مذکورہ کی بناء پر محفوظ قرار نہیں پا سکتا۔ بلکہ یہ حفاظت کا وعدہ اس قرآن کی نسبت ہے جسکی شان میں ہو قرآن مجید

فی لوح محفوظ پ ۳۰ ع ۱۰ ہے۔ کیونکہ جب شب قدر میں قرآن مجید نازل ہوا تو اسکی پہلی منزل وہی لوح محفوظ تھی۔ جو ہمیشہ کے لئے قیامت تک وہاں مطابق تنزیل محفوظ ہے۔ پھر اسکی دوسری منزل قلب مطہر جناب ختمی رسالت فداہ روحی میں بھی اس کی حفاظت مراد ہوسکتی ہے۔ جہاں کسی لفظ یا حرکت اور سکون میں بھی تغیر یا انقلاب حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔

رہا مسئلہ تحریف قرآن سو اسکی نسبت ہمارا اعتقاد وہی ہے جو صدوق المحدثین محمد بن بابویہ قمی علیہ الرحمہ نے رسالہ اعتقادیہ میں لکھا ہے قوله اعتقادنا ان القرآن الذی انزله الله على نبيه هو ما بين الدفتين وما في ايدي الناس ليس اكثر من ذلك قال ومن نسب الينا انا نقول انه اكثر من ذلك فهو كاذب۔ یعنے ہمارے گروہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ خدائے تعالے نے جو قرآن اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلعم پر نازل فرمایا وہ اسی قدر ہے جو بین الدفتین اس وقت موجود ہے۔ اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے زیادہ نہ تھا۔ جو شخص کہ ہمارے فرقہ امامیہ کی طرف یہ نسبت دے کہ ہم قرآن کو مقدار موجودہ سے زائد سمجھتے ہیں۔ وہ کاذب ہے اسی طرح ابوجعفر طوسی و علامہ طبرسی و علم الہدیٰ سید مرتضےٰ و میرزا ابوالقاسم صاحب قوانین و ملا محسن کاشی غرض جمہور اعلام امامیہ موجودہ بین الدفتین قرآن مجید کو ہی منزل من اللہ مانتے ہیں۔ فرقہ امامیہ مقام مناظرہ میں جہاں کہیں اثبات تحریف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سے مراد الزام حجت ہے۔ اہل سنت پر انہیں کی کتابوں سے۔ کیونکہ سنیوں کی کتابوں میں تحریف قرآن کے متعلق بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ جن سے تحریف لفظی اور تحریف معنوی تحریف سور و الآیات مختلف قسم کی تحریفیں قرآن میں ثابت ہوتی ہیں۔ جلد نمبر ۲ تفسیر لوامع التنزیل میں مسئلہ تحریف اور اس کے اقسام پر مصنف نے مفصل بحث کر دی ہے۔

وهذا يكفيك ما حررنا بتلخيص المرام وقررنا في تحريف كتاب الله العلام

نمقه خادم الشريعة المطهره — علي الحائري بقلمه

کوچہ شیعیاں موچی دروازہ لاہور